إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ
علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی
سالنامہ
اللطیف ویلور
دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی

ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور۔

مولانا مولوی

ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ میراں پاشاہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا مولوی

ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء :۹رشعبان المعظم ۱۴۳۶ھ م28رمئی 2015ء بروز جمعرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین سالنامۂ اللطیف ویلور ۱۴۳۶ھ مطابق 2015ء

منظومات

مناجات قربیؒ

قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی علیہ الرحمہ (۱۱۱۸ھ ۱۱۸۲ھ) نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان ۱۵۱اھ مطابق ۱۷۴۰ء میں مرتب کیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۴ سال تھی۔
آپ کے دیوان میں پہلے حمد ہے پھر نعت ہے۔ اسکے بعد ۸۸ غزلیات ہیں، ابیات تقریباً ۱۹۷۶ ہیں ۔ دیوان مناجات اور دعا پر اختتام پذیر ہے۔ حضرت قربیؒ کا کلام آپ کے دیوان سے ترتیب وار ناظرین اللطیف کی خدمت میں پیش ہے۔

خدا ہونا بی مشکل ہے بندہ ہونا بی مشکل ہے
سمجھتا ہے یو نکتے کوں جو عارف صاحب دل ہے

خدا ہے مصدر مطلق بندا بی اس سوں ہے مشتق
جدھر دیکھے ادھر ہے حق ولے پندار حائل ہے

خدا معبود ہے مطلق بندا موجود ہے مطلق
یوں دونوں مطلقِ برحق سمج ہر یک کا مشکل ہے

خدا ہے بندہ بندہ ہے خدا چشم یقین سو دیک
بھی دونوں غیر یکدیگر یہی عرفانِ کامل ہے

بندا ہے اپنی تفصیلات سوں ذاتِ خدا مطلق
صفت ہور فعل و قول اس کا بی مطلق پن کو شامل ہے

مظاہر اس کے کیوں مطلق پنے سوں ہودنگے خارج
یوں صورت غور سوں تو دیک آئینے میں حاصل ہے

نکاتِ عشق اسرارِ خدا ہیں بیگماں قربیؔ
جنے اسرار کو بوجیا وہی حق سات اصل ہے

پیش کش:

سید شاہ محمد طاہر قادری

رباعیات امجدؒ

حضرت امجد حیدرآبادی

حضرت امجد حیدرآبادی علیہ الرحمہ رباعیات کی دنیا میں اپنی ایک مستقل اور جداگانہ شناخت رکھتے ہیں ان کی رباعیات میں تصوف کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ حضرت صوفی منش امجد کے کلام کو حرزِ جان سمجھتے ہیں۔ اہل دل حضرات کی خدمت میں رباعیات امجد حصہ اول مطبوعہ ۱۳۸۸ھ کے نسخہ سے پانچ رباعیات پیش ہیں۔

وحدہٗ لا شریك له

بے خود میں رہوں تو وہ قریں آتا ہے
وہ جب آتا ہے میں نہیں رہتا ہوں
ہیں مست مئے شہود تو بھی میں بھی
یا تو ہی نہیں جہاں میں یا میں ہی نہیں

لا موجود الا الله

پردہ ہی میں وہ پردہ نشیں آتا ہے
میں جب رہتا ہوں وہ نہیں آتا ہے
پروانہ ہے شمع سے نہیں ڈرتا ہے
ممکن نہیں دو وجود تو بھی میں بھی

وکونو مع الصادقین

وہ شاہوں کا شہ عز و جل آئے گا
ضائع ہوگی نہ بت پرستی میری

راست بازوں کے ساتھ رہو

اب وقت نہیں ہے برمحل آئے گا
اس سنگ سے لعل بھی نکل آئے گا

کلام الله

قرآن کریم میں کرامت دیکھی
ہر منزل کو اُسی کی منزل پایا
ہر جز کے ساتھ کل کی شرکت دیکھی
ہر سورۃ میں خدا کی صورت دیکھی

لا اله الا هو

اب جلوۂ غیر حق ہے ہر پہلو پر
کہہ لیجئے آغاز میں میں ہوں تو ہے
ہے دار و مدارِ زندگی میں تو پر
ہے خاتمہ لا الـــــہ الا ھـــو پر

روئداد دارالعلوم لطیفیہ

مکان کی بنیاد زمین پر اور چھت کی بنیاد دیواروں اور ستون پر ہوتی ہے۔ ہر چیز کی ایک بنیاد اور جڑ ہوتی ہے جس پر وہ چیز قائم ہوتی ہے۔ اور اگر بنیاد نہ ہوتی تو وہ چیز قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح اسلام کی بنیاد توحید و رسالت کی گواہی اور نماز روزہ زکوۃ اور حج پر مبنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں عبادت کا لفظ آیا ہے وہاں اس کی معنی توحید ہی کریں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار تخلیق جن و بشر اور کل کائنات کی تخلیق کا مقصد بھی یہی ہے جس سے اس راز کی حقیقت آشکار ہو جائے۔

آغاز سالِ نو

مختلف علاقوں سے آنے والے طلبۃ العلوم کا داخلہ مورخہ ۱۲ر شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ مطابق ماہ اگست 2014/9ء سے ہوا

دورۂ حدیث

دارالعلوم لطیفیہ کے ہال میں بخاری شریف مسلم شریف کے دورۂ حدیث کا آغاز بدست عالی جناب حضرت مولانا ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ عثمان شاہ قادری مدظلہٗ العالی کی دعاؤں سے ۲۰ر شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ کو ہوا بحمد اللہ ۲۰ر رجب المرجب ۱۴۳۵ھ بروز دوشنبہ ناظم موصوف کی دعاؤں سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔

افتتاحی اجلاس

مورخہ ۱۰ر ستمبر ۲۰۱۴ء روز چہارشنبہ دوپہر ۳ بجے انجمن دائرۃ المعارف کا افتتاحی جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ عثمان شاہ قادری صاحب ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے فرمائی۔ اسکے بعد مہمان خصوصی مولانا مولوی سید شاہ وجہی الّلہی سقافی صاحب دام اقبالہٗ نے اردو میں بہترین تقریر فرمائی جس سے طلباء اور سامعین بہت محظوظ ہوئے اسکے بعد دوسرے مہمان خصوصی حضرت مولانا مولوی سید نیاز احمد جمالی ناظم دارالعلوم جمالیہ مدراس نے عربی زبان میں تقریر فرمائی، موصوف علمِ دین کی فضیلت پر روشنی ڈالی۔ الحمد للہ بعد ازاں صدر جلسہ کی دعاؤں سے یہ جلسہ بحسن وخوبی اختتام پذیر رہا۔

نوید مسرت

بحمد اللہ مدراس یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء و ادیب فاضل میں طلباء شریک رہے اور اچھی کامیابی حاصل کی۔

امتحانات دار العلوم مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۷ ماہ جنوری 2015ء سے ششماہی امتحانات اساتذہ کرام کی زیرنگرانی شروع ہوئے اور مسلسل آٹھ دنوں تک یہ جاری رہے نیز ۲۸ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۸ مئی 2015ء سے سالانہ امتحانات شروع ہوئے اور آٹھ دنوں تک جاری رہ

عباپوشی وعطائے اسناد فضیلت مآب حضرت مولانا ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ محمد عثمان شاہ قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی زیر صدارت مورخہ ۹ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۸ ماہ مئی روز جمعرات دارالعلوم لطیفیہ کے مزین وخوبصورت ہال میں صبح ٹھیک دس بجے سالانہ اجلاس اعلیٰ پیمانے پر منعقد ہوا جسمیں مقتدر علمائے کرام اور قابل ترین حضرات مدعو تھے اور ناظم موصوف اپنے دست فیض اقدس سے فارغین کو عبا و اسناد عطا فرمایا۔

پھر ایک نوید مسرت مورخہ ۲۸ ماہ مارچ 2015ء روز شنبہ دوپہر مسجد حضرت مکان میں اعلیحضر ت عظیم المرتبت مولانا سید شاہ ابو النصر قطب الدین محمد باقر قادری علیہ الرحمۃ کا سالانہ فاتحہ ہوا قرآن خوانی ثواب رسانی کے بعد اسی دن بعد نمازِ عصر اقطابانِ ویلور علیھم الرحمۃ کے آرام گاہ پر چادر گل چڑھائی گئی بعد فاتحہ کے عزیز گرامی نامزد سجادہ نشین محترم جناب ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری دام اللہ فیضانہ ابن مولانا ڈاکٹر سید شاہ عثمان قادری صاحب مدظلہ العالی کی رسمِ سجادہ نشینی ادا کی گئی جس میں مقتدر علماء ومشائخ کرام اور معتقد حضرات موجود تھے۔ الحمدللہ موصوف محترم کو سجادہ نشینی کی گدی پر بٹھایا گیا۔ بحسن وخوبی یہ رسم بھی انجام کو پہنچی۔

تقسیم انعامات درسیات و مقالہ نویسی مقابلہ تحریر وتقریر میں اول اور دوم آنے والے طلباء کو انعامات سے نوازا گیا اور مختلف عہدیداروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں انعامات سے نوازا گیا۔

ھدیہ تشکر اللہ تعالیٰ تمام محبانِ مدرسہ اور معتقدان کو سلامت وعافیت سے رکھے جنہوں نے خلوص کے ساتھ مدرسہ کے ہر کام کو انجام دیتے رہیان تمام کا ادارہ پرخلوص ھدیۂ تشکر پیش کرتا ہے۔ شکریہ وما علینا الا البلاغ

افتتاحیہ

ادارہ

پیغمبر اسلام سیدنا محمد عربی ﷺ نے مسلمانوں کو جو ہدایتیں اور نصیحتیں کی ہیں ان میں تحصیل علم و اشاعت علم کی ہدایت دوررس مفید نتائج کی حامل ہیں۔ آپ ﷺ کا اپنی امت کو علم سے متعلق غیر معمولی ھدایت دینے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ کی نبوت کا دائرہ قیامت تک پھیلا ہوا ہے۔ اور رہتی دنیا تک جتنے لوگ پیدا ہونگے وہ سب آپ کی اُمت میں شامل ہیں اور ان کے لئے آپ ہی کی تعلیمات وہدایات مشعلِ راہ ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی کتاب نازل ہونے والی ہے۔ اللہ نے آپ ﷺ ہی کو سارے انسانوں کا معلم اور مربی بنا کر بھیجا ہے۔ وما ارسلنك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا۔ اور آپ ﷺ کی ذات قدسی صفات پر نبوت ورسالت کے سلسلہ کو مکمل کر دیا گیا ہے۔ ما كانا محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النبين۔ محمد ﷺ مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں اور آپ پیغمبر خاتم النبین ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے دنیا میں نبیوں کی آمد کا سلسلہ موقوف کر دیا گیا تو آپ ﷺ کی امت کو کارِ نبوت کی انجام دہی کے لئے منتخب کیا گیا۔ اور اس عظیم الشان پیغمبرانہ مشن کی تکمیل کے لئے علم اپنی تمام تر وسعتوں اور پہلوؤں کے ساتھ نہایت ضروری تھا جسکے بغیر امت مسلمہ ایک قدم بھی آگے بڑھا نہیں سکتی تھی اسی لئے آپ نے اپنی امت کو علم کی ترغیب وتحریص اور تاکید فرمائی۔ اور اپنی امت کے علماء کو نبی اسرائیل کے نبیوں کے ہم پلہ اور ہم مقام ٹھہرایا۔ علماء اُمتی کا نبياء بنی اسرائیل۔

علم کی فضیلت وعظمت اور شرف و بزرگی کے بارے میں یہ بات کیا کم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود کو معلم اور مربی قرار دیا۔ بعثت معلما۔ مجھے دنیا میں علم کی نشرواشاعت کے لئے بھیجا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے پہلے جو انبیائے کرام تشریف لائے وہ بھی اپنے اپنے دائرہ نبوت کے اعتبار سے اپنی اپنی امت کے لئے معلم اور مربی ہی تھے۔ ان کے ہاں بھی محدود اور مخصوص تعلیمات تھیں لیکن ان کی تعلیمات میں آفاقیت و ہمہ گیریت نہ تھی۔ کیونکہ ان کے زمانے سماجی وتمدنی اور اخلاقی و مذہبی ضروریات مختصر اور محدود تھیں اور ان کی نبوتیں وقتی علاقائی اور گروہی تھیں۔ اسکے برعکس نبی کریم ﷺ کی نبوت عالم گیر دائمی اور آفاقی تھی اور قیامت تک دنیا جہاں کے

انسانوں کی مختلف سماجی وتمدنی، معاشی واقتصادی اورانسانی واخلاقی ضروریات وحاجات کی تکمیل آپ ہی کی تعلیمات سے وابستہ تھی اس لئے سارے نبیوں اور رسولوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کومنجانب اللہ جوعلم دیا گیا اسکا عشر عشیر بھی کسی نبی اور رسول کونہیں دیا گیا۔ بلکہ ان حضراتِ کرام کا بھی علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ اور طفیل کی برکت ہے۔ شیخ شرف الدین بوصیری علیہ الرحمۃ نے شاعری کے لبادہ میں مبنی برحقیقت بات کہی۔

فاق النبین فی خلق و فی خُلق — ولم یدانوه فی علم ولا کرم

و کلهم من رسول الله ملتمس — عرفاً من البحراو رشفا من الدیم

وواقفون لدیه عند حدهم — من نقطة العلم او من شکلة الحکم

سیدنا محمد عربی ﷺ صورت وسیرت اور ظاہر و باطن کے اعتبار سے سارے نبیوں اور رسولوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ انبیاء ومرسلین نہ آپ کے علم کو پہنچ سکے اور نہ آپ کے جودوکرم میں ہم سری کر سکے۔ ہر نبی آپ کے علم سے بہرہ ور اور مستفیض ہے اور یہ علمی استفادہ ایسا ہے جیسے دریا سے ایک چلو پانی اٹھالیا گیا، یا برستے بارش سے ایک گھونٹ پانی حاصل کر لیا گیا۔ اور تمام انبیائے کرام اپنے اپنے رتبہ سے آنحضرت ﷺ کے روبرو کھڑے ہونے والے ہیں۔ آپ کے علم کے ایک نقطہ کے مانند یا پھر حکمتوں میں سے ایک حکمت حاصل کرنے کے سبب سے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی ذات سے ایک عظیم الشان بادشاہ کے مانند ہیں اور باقی سارے نبی ورسول وزیروں کے مانند ہیں جو بادشاہ کے سامنے اپنے اپنے رتبہ ومنصب کے اعتبار سے کھڑے ہوتے ہیں۔

اللہ نے ہر نبی کو ایک مخصوص معجزہ عطا کیا تاکہ وہ اس معجزانہ قوت کے ذریعہ اپنی دعوت کو لوگوں کے درمیان پھیلا سکیں۔ آنحضرت ﷺ کو جو مخصوص معجزہ عطا کیا گیا وہ علم ہے جو قرآن کریم کی صورت میں آپ کو دیا گیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی پیغمبرانہ مشن کی شروعات ہی علم اور قلم کے ذکر وبیان سے ہوئی اور انبیائے کرام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آپ کے عہد میں قلم سے علم کی تحصیل اور تحفیظ کی داغ بیل پڑی اور آپ کی ذات گرامی سے صحیح معنوں میں وسیع پیمانہ پر علم کا دور شروع ہوا۔ یہی وہ نقطۂ امتیاز تھا جس کی بناء پر آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے کے زمانے کو تاریخ میں بے علمی اور جاہلی دور کا نام دیا گیا۔

علم، آگہی وآگاہی اور واقفیت وشناسائی کا نام ہے خواہ اس کا تعلق دین سے رہے یا دنیاوی امور سے، اور وہ دینی و دنیاوی دونوں اعتبار سے زندگی کا جزلاینفک ہے اور اس سے بے اعتنائی اور غفلت برتنا دینی ودنیاوی اعتبار سے جہالت اور

مفلسی کا ہم معنی ہے۔ انسانی تاریخ میں سب سے پہلے نبی کریم ﷺ نے علم کو زندگی کے ساتھ ملحق اور پیوست کر دیا اور صاف صاف لفظوں میں یہ ہدایت دی کہ زندگی جب تک رہے طلب علم سے بے نیاز نہ رہو۔ گود سے لے کر گور تک علم حاصل کرتے رہو۔ اطلبوا العلم من المهد الی اللحد۔ اور آپ ﷺ نے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر علم کی تحصیل کو فرض قرار دیا۔ طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة۔ اور آپ ﷺ نے یہاں تک تاکید فرمائی کہ اگر تمہیں علم حاصل کرنے کے لئے دنیا کے دور دراز ملکوں کا سفر کرنا پڑے تو اپنے وطن سے نکل جاؤ اور علم حاصل کرو۔ الطلبو العلم ولو کان بالصین۔ اور علم و فن کو اس جذبہ وشوق اور انہماک کے ساتھ حاصل کرو گویا وہ تمہاری ہی گم شدہ متاع ہے اور تم اس کے حاصل کرنے کے حقدار اور مستحق ہو۔ الکلمة الحکمة ضالة المومن اینما وجد فهو احق بها۔ علم وحکمت مومن کی متاع گم شدہ ہے وہ اسے جہاں سے بھی پائے حاصل کر کے ہی رہو۔

طلب العلم فریضة کی حدیث سے متعلق اکثر علماء کا موقف یہ ہے کہ علم سے مراد دینی علم ہے۔ کیونکہ علم دین حاصل کئے بغیر کوئی بھی مرد ہو یا عورت وہ اپنے فرائض، واجبات، عبادات اور دوسروں کے حقوق کو ادا نہیں کر سکتے۔ علم کا یہ پہلو خالص دینی اور شرعی ہے۔ اس طرح علم کا دنیاوی پہلو بھی ہے۔ جس سے بے اعتنائی اور بے توجہی کسی قیمت پر درست نہیں۔ جسے حاصل کئے بغیر کوئی بھی مرد ہو یا عورت سائنس اور ٹکنالوجی کی تیز رفتار زندگی میں ترقی نہیں کر سکتے۔ علم کا ایک پہلو روحانی ہے تو دوسرا پہلو مادی ہے۔ اور یہ دونوں پہلو جسم اور روح کے مانند و مثل ہیں۔

اس کی تائید ایک مشہور قول یا حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ العلم علمان علم الادیان و علم الابدان۔ علم دو ہیں ایک دین کا علم دوسرا بدن کا علم۔ دین کا علم تمام شرعی علوم وفنون اور ان کے کلیات وجزئیات اور متعلقات وغیرہ پر محیط ہے تو بدن کا علم تمام مادی علوم وفنون اور ان کے متعلقات پر محیط ہے جن کا تعلق دنیاوی زندگی کی ضرورتوں اور حاجتوں سے ہے۔ دین کے بنیادی عقائد واعمال میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں۔ لیکن اسکے جزوی وفروعی اور اجتہادی احکام کے اندر تبدیلی بدلتے زمانے کے تحت لوگوں کے مصالح کی وجہ سے اجتہاد واستنباط کی روشنی میں ہو سکتی ہے۔

علم سے متعلق نبی کریم ﷺ کی مسلمانوں کو ایک ہدایت یہ بھی ہے کہ اگر انہیں دولت علم دوسری قوموں سے مل سکتی ہے تو ان سے حاصل کرنے میں پیچھے نہ رہیں، خواہ ان کے دشمن ہی کیوں نہ ہوں۔ اسکی نظیر آپ ﷺ ہی کے عمل سے اس وقت فراہم ہوگئی جب کفار مکہ نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے مدینہ منورہ کا رخ کیا، بدر کے مقام پر مسلمانوں اور

غیر مسلموں کے درمیان لڑائی ہوئی جسے تاریخ اسلام میں غزوہ بدر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، دشمن کی ایک بڑی تعداد گرفتار ہوئی اور قید کرلی گئی۔ دنیا میں نبی کریم ﷺ کی آمد سے پہلے یہ عام بات تھی کہ فاتح قوم مفتوح قوم کے لوگوں کو غلام بنالیتی اور انہیں بری طرح سے قتل کرڈالتی تھی۔لیکن آپ ﷺ نے تاریخ میں پہلی مرتبہ اس دیرینہ وحشیانہ اور ظالمانہ طریقہ کو ختم کردیا۔اوران قیدیوں کے ساتھ نرمی وحسن سلوک کی روش اپنائی اوران کو آزاد کرنے کے لئے فدیہ کی صورت میں ایک انسانیت نواز مثال قائم کی اور وہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے ان قیدیوں کی مالی استطاعت کے مطابق رقم وصول کی اورانہیں رہا کردیا۔ان قیدیوں میں کچھ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے،آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تمہارا فدیہ یہ ہوگا کہ ہمارے لوگوں کولکھنا پڑھنا سیکھادو پھر تمہیں رہائی دی جائے گی۔ چنانچہ یہ اصحاب علم قیدیوں نے شرط منظور کرلی اور مقررہ وقت تک مسلمانوں کوتعلیم دی اور رہائی کا پروانہ حاصل کرلیا۔

انسانی تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ کسی غالب فاتح شخص نے اپنے مغلوب ومفتوح دشمن کو زندگی بخشی ہو۔اوراپنے دشمن میں موجود علم وفن سے استفادہ کرنے میں اس طرح کی اعلیٰ ظرفی اورخوش خلقی کا مظاہرکیا ہو۔تعلیم کے باب میں نبی کریم ﷺ کی ہدایات کا اثر مسلمانوں پر گہرا ہوا جو قریباً چھ سو سال تک قائم رہا۔اس طویل عرصہ میں انہوں نے دینی اور مادی علوم وفنون کے ساتھ اپنا رشتہ توازن اور جامعیت کے ساتھ برقرار رکھا،اور وہ ساری دنیا میں علم وفن کے امام اور قائد بنے رہے۔مغربی قومیں ان کی علمی وطبی تحقیقات اور انکشافات سے استفادہ کرتی رہیں اور اپنی دانش گاہوں کے نصاب تعلیم میں مسلمانوں کی تصنیفات کو جگہ دی۔پھر مسلمانوں کی زندگی میں ایسا دور شروع ہوا جس میں ان کی نظروں سے مادی اور عصری علوم وفنون کا پہلو اوجھل ہوگیا۔اوران کی علمی پس ماندگی کا یہ دور موجودہ زمانے تک پھیلتا ہی چلا گیا۔آج مسلمانوں کے اندر اپنے علمی افلاس اور صنعتی درماندگی کا شعور واحساس پوری طرح سے جاگ اٹھا ہے۔اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کی اکثریت اپنی اولاد کو عصری علوم وفنون سے مزین کرنے میں مصروف ومشغول ہے۔ اور یہ انہماک والتفات،افراط وانتہا پسندی کی حد چھو گیا ہے اور تفرط وپستی کا دوسرا پہلو یہ سامنے آگیا ہے کہ ان کی نظروں سے مذہبی واخلاقی تعلیم کا پہلو اوجھل ہوتے جارہا ہے جس کی وجہ سے نئی نسل دین،اخلاق اور اسلامی تشخص وشعار سے دور ہوتی جارہی ہے۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عصری تعلیم میں اسلامیات اور اخلاقیات کا ہلکا سا عنصر بھی شامل نہیں ہے۔

اسکے مقابل میں مسلمانوں کی اقلیت اپنی اولاد کو دینی علوم وفنون سے مزین کرنے میں مصروف ومشغول ہے لیکن

یہاں یہ خلا دیکھنے میں آرہا ہے کہ بدلتے زمانے کی مفید ضرورتوں اور تقاضوں کی جانب توجہ نہیں ہے اور ایسے علوم وفنون جو اسلام کی نشر واشاعت میں مفید ومعاون ثابت ہو سکتے ہیں،ان کی جانب التفات نہیں ہے جسکی وجہ سے دینی علوم کے حاملین موجودہ زمانے میں اسلام کو موثر ومفید پیرایہ میں اقوام عالم کے سامنے پیش نہیں کر پا رہے ہیں۔

تعلیم کے باب میں مذہبی اور مادی دونوں پہلوؤں کی رعایت ولحاظ ضروری ہے جن کے بغیر مسلمانوں کی مذہبی اور مادی زندگی توازن کے ساتھ رواں دواں نہیں رہ سکتی۔ ہندوستان میں ایک صدی قبل تعلیم کے مسئلہ میں افراط وتفریط اور انتہاء وپستی کی صورت پیدا ہوگئی تو جنوبی ہند کی موجودہ ریاست تمل ناڈو میں ایک بوریہ نشین صوفی منش بزرگ حضرت قطب ویلور نے تعلیم کے دونوں پہلوؤں کے جانب مسلمانوں کی توجہ مبذول کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں مسلمان انگریزی تعلیم حاصل کرنے میں پس وپیش کا شکار تھے۔ ہندوستان انگریزوں کے زیر تسلط تھا۔ وقت کی حکومت کے بل بوتے عیسائی مشنیریاں مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے لگی تھیں اور ان کے دلوں میں اسلام سے متعلق شکوک وشبہات اور بے اعتمادی پیدا کرنے اور عیسائیت کی بیج ڈالنے میں لگی ہوئی تھیں۔ان حالات سے متاثر ہوکر حضرت قطب ویلور نے انگریزی زبان سیکھی اور اس میں موجودہ عیسائی لٹریچر کا براہِ راست مطالعہ کیا اور ردِ عیسائیت اور دعوتِ اسلام کا کام شروع کیا اور براہِ راست کوئن وکٹوریہ اور اس کے وزیروں اور پادریوں کی خدمت میں انگریزی زبان میں مفصل مکتوب ارسال کیا۔ جس میں حضرت مسیح کے اقوال اور مختلف عقلی دلائل کی روشنی میں ابن مریم کی بشریت وآدمیت کو ثابت کیا اور ان کی الوھیت وربوبیت کی تردید کی۔ عقیدۂ کفارہ کو باطل ثابت کیا اور اسلام کی صداقت وحقانیت کو واضح کرتے ہوئے ملکۂ انگلستان اور اس کے وزراء اور عیسائی علماء کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ مولانا حکیم سید عبدالحیٔ حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنی عربی تصنیف ''نزھۃ الخواطر'' میں حضرت قطب ویلور کے بارے میں لکھا ہے۔ تلقی اللغۃ الانکلزیۃ۔و بعث رسالۃ فی تلک اللغۃ الی ملکۃ انکلیترا و یدعوھا الیٰ الاسلام۔ حضرت قطب ویلور کے بعد آپ کے فرزندِ ارجمند شمس العلماء مولانا رکن الدین سید محمد قادری نے اپنے آباواجداد کی قدیم دینی درسگاہ کی تجدید کی۔اور اس کارِ تجدید میں بدلتے زمانے کی جائز ومفید ضرورتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا۔آپ کے زمانے میں انگریزی زبان سرکاری زبان بن چکی تھی،مغربی علوم وفنون کا ارتقاء ہو رہا تھا،آپ نے جدید نصابِ تعلیم مرتب کیا،جس میں انگریزی زبان کی تعلیم،طب کی تعلیم اور چند مفید علوم کی تعلیم کو جگہ دی۔آپ نے اہل ثروت کے سامنے اپنے تعلیمی موقف کی جو

وضاحت کی ہے وہ آج بھی مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے کے لئے مددودمعاون ہے۔مولانا رکن الدین کے اس طویل خطاب کا ایک مختصر اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

جن طلباء کا خیال علم دین کے علاوہ انگریزی پڑھنے کا ہے ان کے لئے بھی ایک صیغہ انگریزی اس مدرسہ (دارالعلوم لطیفیہ ویلور) سے متعلق کیا جائے ،اوران کے طریقۂ تعلیم کا ڈھنگ اس طرح ہو کہ ایک مدتِ معینہ میں دینی تعلیم کی تحصیل و تکمیل ہوجائے ،اورانگریزی زبان میں بھی اس درجہ تک پہنچ جائیں کہ جہاں سے اورترقی کے لئے ان کی عمر مکتفی ہو۔

طلباء کے لئے ایک دارالفنون قائم کریں تاکہ ہمارے بھائیوں کی اولادرزقِ حلال کا ذریعہ پیدا کرلیں اور علم کے ساتھ ہنر سے بہرہ ور ہوجائیں۔اس دارالفنون میں مطبع (پریس) بھی رہے۔علم سکھلانے میں حاضرین کو فیض پہنچتا ہے۔لیکن کتابوں کے طبع کرانے میں علم کا فیض نزدیک ودوراور حاضروغائب سب کو بآسانی پہنچے گا۔

مدرسہ میں ایک حکیم بھی ایسا رکھنا چاہئے جس کو یونانی اور انگریزی طبابت سے بھی واقفیت ہواور وہ طبیب جن طلباء کوفنِ طب کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے ان کو اس علم کی تعلیم دیا کرے تاکہ وہ لڑکے اس شریف علم کی بدولت عزت کے ساتھ اپنی روزی بھی پیدا کرلیں اور خلائق کو بھی نفع پہنچائیں۔

تعلیم انگریزی۔درجۂ کفر تک پہنچاتی ہے، یہ ہرگز ہرگز نہیں ہے کیوں کہ وہ بھی ایک زبان ہے،معتدد زبانوں کا سیکھنا اوران میں کمال پیدا کرنا کمالاتِ انسانی میں شمار کیا جاتا ہے۔تو ہمارے ملک کی بودوباش کے لحاظ سے اور معاشی امورات سرانجام دینے اوراظہارِ حوائج ومطالب کی غرض سے اور ہمارے دینِ حق پرحملوں کی دفاع کی نیت سے انگریزی تعلیم بری نہیں ہے۔بلکہ نہایت ضروری ہے

جس طرح دینی علم کا حاصل کرنا ضروری ہے اسی طرح دنیوی علم کا جاننا بھی ضروری ولازمی ہے۔دنیوی علوم وفنون کے حاصل کرنے میں ہمیں زمانے کی رفتاراور ضرورتوں پرنظر رکھنا چاہئے۔علوم وفنون کو زمانے سے لازمی نسبت اور خصوصیت ہے،آج کل ہم کواور ہماری اولاد کودینی علم کے علاوہ دنیاوی علم کا جاننا اشدضرورت ہے جسکا زمانے میں رواج ہےاورجس کوجانے بغیرانسان کے دینی اوردنیاوی فرائض پورے ادانہیں ہوسکتے۔

اگلے زمانے میں جن قوائداوراصول پر جوعلوم پڑھائے جاتے تھے اب وہ اصول اورقواعدناکارہ اور غیر مفید ہوچکے ہیں۔اب ان کے قواعداوراصول دوسرے ڈھنگ سے مرتب ہوچکے ہیں۔جس طرح دنیوی علم کے فروغ کو زمانے کے

ڈھنگ رواج اور قواعد واصول کے برابر جاننا اور حاصل کرنا لازم ہے اسی طرح فنون کا سیکھنا اور سکھانا بھی لازم ہے۔

اس زمانے میں انگریزی تعلیم بقدرِ ضرورت واجب ہے، ہمارے زمانے میں انگریزی جانے بغیر دنیا کے کاروبار نہیں چلتے، جب تک یہ طلبہ انگریزی نہیں جانیں گے، دنیا کے سامنے اسلام پیش نہیں کر سکتے، پھر وہ بھاری کام نشر اسلام کا ہاتھ نہ آئے گا۔ جسکے طفیل میں ہمیں خیرامت کا تمغہ ملا ہے۔

جس طرح ہمارے طلباء مشرقی علوم میں کامل مہارت حاصل کر کے تحصیل (مولوی عالم) کی سند لے لیتے ہیں ،ایسے ہی مغربی علوم میں انہیں اعلیٰ درجے کی سند دلائی جائے اور موجودہ زمانے میں اسلام کو ایسے ہی طالب علموں کی ضرورت ہے جو مشرقی اور مغربی علوم میں کامل نصیبہ حاصل کئے ہوں۔

تعلیم سے بہت لوگ غلطی کر کے فقط مردوں کی تعلیم مراد لیتے ہیں، یہ ان کی سراسر غلطی ہے علم معاد اور علم معشیت کی ذمہ داری میں مرد اور عورت دونوں برابری کا حق رکھتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ مرد علم کے زیور سے آراستہ ہوں اور عورت محروم رہے، ہم اسلامی تاریخ سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اگلے زمانے میں عورتیں بھی تعلیم یافتہ تھیں۔ (روئیداد جلسۂ بنائے عمارت مدرسہ لطیفیہ)

الغرض علوم وفنون کی تحصیل وتعلیم اور تکمیل میں دینی اور دنیوی دونوں پہلوؤں کی رعایت ملحوظ رہنی چاہئے اور دونوں میں جامعیت وکمالیت اور توازن برقرار رکھنا چاہئے۔ مسلمان مغرب کا تعلیمی نقطۂ نظر اپنانے سے اجتناب کرنا چاہئے جس میں صرف مادیت ہے، سیرت واخلاق اور آخرت کا تصور نہیں ہے۔ مسلمانوں کو علم کے باب میں روز اول ہی یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ علم کو رب تعالیٰ کے نام کے ساتھ مربوط رکھیں تا کہ معاش اور معاد دونوں پیش نظر رہے۔ اقرا باسم ربك الذى خلق۔ علم دینی ہو یا دنیوی، صاحب علم کے اندر اسلامی اخلاق وکردار کا ہونا ضروری ہے، اسی مقصد کی تکمیل کے لئے نبی کریم ﷺ کو دنیا میں معلم اور مربی بنا کر بھیجا گیا، جیسا کہ آپ نے اپنی زبانِ مبارک سے اپنی بعثت کے مقصد کو واضح کیا۔ بعثت معلماً۔ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ مجھے لوگوں کی سیرت وکردار کو ربانی سانچے میں ڈھالنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ آپ نے نصیحت فرمائی۔ تخلقوا باخلاق اللہ۔ اپنے اندر اللہ کے اخلاق پیدا کرو۔

لہذا مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی فلاح اسی میں مضمر ہے کہ علوم دینی اور دنیاوی میں کمال اور اپنے اندر عمدہ اخلاق پیدا کریں۔ واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

جواھر القرآن

یسئلونك عن الروح

ازمولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی

یم اے پی ایچ ڈی، استاذ دار العلوم لطیفیہ، ویلور

روح ظہور اسلام سے قبل بھی موضوع بحث بنی رہی، اور آج بھی اسکے تعلق سے محیر العقول تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔روح سے متعلق نبی کریم ﷺ کی تفسیرات اور علماء اسلام کی تعبیرات ہی سے آدمی کے دل ودماغ کو تشفی حاصل ہوسکتی ہے کیونکہ اسلامی تشریحات وحی اور الہام سے وابستہ ہیں۔اور وحی والہام کا تعلق براہ راست خلاق عالم سے ہے جس نے ہزاروں عالم کو پیدا کیا۔ان میں سے ایک عالم وہ ہے جس میں سارے انسانوں کی ارواح ہیں جن کو عالم ارواح کہا جاتا ہے۔روح کا تعلق ایک ایسے عالم سے ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے اور ہماری عقل وفہم سے بالاتر ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے قل الروح من امر ربی۔اے نبی محترم ﷺ! فرمادیجئے کہ روح عالم امر کی چیز ہے اور وہ خالق کے حکم سے جسم میں داخل ہوتی ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے۔روح کا معنی ہے جسم حیوانی کا قیام جس پر ہو۔یعنی وہ چیز جسکی وجہ سے آدمی کے جسم میں زندگی ہے، علامہ سیوطی اپنی تفسیر جلالین میں فرماتے ہیں۔الذی یحی به البدن۔روح وہ ہے جس سے بدن زندہ رہتا ہے۔

قرآن کریم میں انسان کے جسم میں موجود روح کا ذکر سوال وجواب کے پیرایہ میں ہے۔یسئلونك عن الروح ۔قل الروح من امر ربی ۔وما او تیتم من العلم الا قلیلا ۔ ((بنی اسرائیل)۔لوگ آپ ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ ﷺ فرمادیجئے، وہ ایک چیز ہے جو میرے رب کے حکم بنی ہے اور تم کو اسکی حقیقت کا علم تھوڑا سا دیا گیا ہے۔

اس آیت کریمہ کے نزول کے بارے میں بخاری ومسلم اور ترمذی ومسند احمد کی روایات تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ملتی ہیں۔عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے۔یہ آیت طیبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جب کہ قریش کے سردار جمع ہوکر

مشورہ کرنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان پیدا ہوئے، جوان ہوئے، ان کی بے داغ زندگی ہماری نظروں کے سامنے ہے اور ان کے صادق اور سچے انسان ہونے میں کسی شخص کو شک وشبہ نہیں ہے۔ لیکن اب وہ نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ لہذا ایسا کیا جائے کہ مدینہ منورہ کے یہودی علماء کے پاس ایک وفد بھیج دیا جائے تاکہ محمد ﷺ کے نبی ہونے کے بارے میں دریافت کیا جائے۔ چنانچہ ایک وفد مدینہ منورہ میں علمائے یہود کے پاس جا پہنچا۔ اور حقیقت حال ظاہر کیا تو انہوں نے کہا۔ تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوال کرو، اگر وہ تینوں سوالات کے جوابات دے دیں تو نبی نہیں ہیں اور اگر نہ دیں تو بھی نبی نہیں ہیں اور اگر دو کے جواب دیں اور ایک کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کے نبی ہیں۔

پہلا سوال: محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لوگوں کے احوال دریافت کرو جو قدیم زمانے میں کفر وشرک سے بچنے کے لئے غار میں چھپ گئے تھے۔ دوسرا سوال: اس شخص کے حالات پوچھو جس نے زمین کے مشرقی حصہ سے لے کر مغربی حصہ تک کی سیر وسیاحت کی تھی۔ تیسرا سوال: روح کے بارے میں پوچھو کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔

یہ وفد بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور نبی کریم ﷺ سے اپنے سوالات پیش کیا۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں کل جواب دوں گا۔ اس موقعہ پر نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے انشاء اللہ کے جملے ادا نہیں ہوئے جسکی وجہ سے کئی روز تک وحی کے نزول کا سلسلہ منقطع رہا۔

اس صورت حال سے کفار کی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے کہا تھا کل جواب دیں گے لیکن اتنے دن گذرنے کے بعد بھی ان کی جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔ کفار کے طعن اور استہزاء کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو پریشانی اور فکر لاحق ہوگئی۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور نبی کریم ﷺ کو تلقین کی کہ آپ آئندہ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کریں تو انشاء اللہ کہا کریں۔ ولا تقولن لشئی انی فاعل ذلك غدا۔ اس واقعہ کے بعد روح سے متعلق آیت نازل ہوئی۔ قل الروح من امر ربی۔ اور باقی دو سوالوں کے جواب، غار میں چھپنے والے اہل ایمان یعنی اصحابِ کہف کے حالات بیان کئے گئے، اور مشرق سے مغرب تک سیر وسیاحت کرنے والے بادشاہ سکندر ذوالقرنین کے حالات بیان کئے گئے۔ اور روح کا معاملہ مبہم اور غیر واضح رکھا۔ جس کی وجہ سے کفار قریش کے زعم وخیال کے مطابق نبی ہونے کی علامت ظاہر ہوگئی۔

روح کی حقیقت یہ ہے کہ وہ جسم لطیف ہے جو بدن میں سرایت کئے ہوئے ہے۔قرآن کریم میں ہے۔الله یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها فیمسك التی قضیٰ علیها الموت و یرسل الاخریٰ الی اجل مسمّٰی ان فی ذلك لآیت لقوم یتفکرون۔(الزمر)

اللہ تعالٰی ہی موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے،اور جس کی موت کا وقت نہیں آیا ہے اس کی روح نیند میں قبض کرتا ہے، پھر جس کی موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے،اسے روک لیتا ہے،اور دوسروں (خوابیدہ لوگوں) کی روحوں کو ایک مقررہ وقت کے لئے جسموں کی طرف لوٹا دیتا ہے اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور اور فکر کرتے ہیں۔

مومنین کی روحیں موت کے بعد علیین میں رہیں گی جو ساتویں آسمان پر عرش کے زیر سایہ ایک مقام ہے جس میں اہل ایمان کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں۔کلا ان کتب الابرار لفی علیین۔(تطفیف) بے شک مومن کے اعمال نامے سب سے اونچی جگہ علیین میں ہین۔اور کافروں کی روحیں موت کے بعد سجین میں رہیں گی جو ساتویں زمین میں انتہائی تاریک اور پست جگہ ہے،جس مین اہل کفر کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں۔کلا ان کتب الفجار لفی سجین۔ بے شک کافروں کے اعمال نامے سب سے نیچی اور اسفل جگہ سجین میں ہیں۔براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ایک انصاری بھائی کے جنازہ میں شریک ہوئے۔قبر کی کھدوائی اور تیاری میں کچھ دیر ہو رہی تھی تو آنحضرت ﷺ اور ہم سب ایک جگہ بیٹھ گئے،سب پر سکوت طاری تھا اور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی جس سے آپ ﷺ زمین کریدنے لگے۔پھر سر مبارک اٹھایا اور ہم سب کو مخاطب ہو کر فرمانے لگے،عذاب قبر سے بچو اور اس سے پناہ مانگو، یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ دہرایا۔اسکے بعد مومن اور کافر کی موت کے بارے میں ارشاد فرمایا۔جب بندہ مومن دنیا سے جدا ہوتا ہے اور آخرت کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو اسکے پاس ایسے نورانی فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے آفتاب کی طرح چمکتے ہوں گے اور ان کے ساتھ جنت کا کفن اور جنت کی خوشبوئیں ہوتی ہیں اور حضرت عزرائیل علیہ السلام اس بندۂ مومن کی نظروں کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔یا ایتها النفس المطمئنه ارجعی الی ربك راضیة مرضیة فادخلی عبادتی وادخلی جنتی۔ اے نفسِ مطمئنہ! اپنے رب کی جانب لوٹ جا ،اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے، پھر میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

یہ مسرت آمیز پیغام سن کر مومن کی روح اس کے جسم سے خوشی خوشی آسانی کے ساتھ اس طرح نکل جاتی ہے جس طرح مشکیزہ سے پانی نکل جاتا ہے۔سب سے پہلے حضرت عزرائیل اس روح کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں، پھر اس کے بعد ان کے ہاتھوں سے دوسرے فرشتے لے کر کفن اور خوشبوؤں میں لپیٹ دیتے ہیں۔اور روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں۔راستے میں دوسرے فرشتے ملتے ہیں اوران سے پوچھتے ہیں کیا یہی سعید روح ہے؟اس پر فرشتے اس بندہ مومن کا نام کا نام بتاتے ہیں جس نام سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا، یہاں تک کہ وہ فرشتے اس کی روح کو آسمان دنیا تک لے جاتے ہیں۔پھر ایک آسمان سے دوسرا آسمان اور دوسرے آسمان سے تیسرے آسمان یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک لے جاتے ہیں۔اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرے بندے کے اعمال نامے علیین میں محفوظ کردو اور اس کی روح کو دنیا کی طرف لوٹا دو۔پھر روح اس کے جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔اسکے بعد اس کے نزدیک دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں۔من ربك،من نبيك،و ما دينك۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرے نبی کون ہیں؟اور تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے۔میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔میرے نبی محمد ﷺ ہیں اور میرا دین اسلام ہے۔اس پر غیبی آواز آتی ہے۔صدق عبدی فافرشوه من الجنة والبسوه من الجنة وافتحو اله بابا من الجنة۔ میرے بندے نے سچ کہا،اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو اور اسے جنت کا لباس پہنا دو۔

اس کے بعد اس کی قبر وسیع کردی جاتی ہے۔جہاں تک نگاہ پہنچ سکتی ہے۔اسی کے ساتھ ہی اسے جنت کی ہوائیں ،خوشبوئیں،راحتیں اور لذتیں پہنچنی شروع ہو جاتی ہیں۔اور اس کے پاس ایک ایسا شخص نمودار ہوتا ہے جو انتہائی حسین و جمیل ہوتا ہے اور اس سے خوشبو پھوٹ پڑتی ہے۔وہ کہتا ہے اس چیز کی بشارت ہو جو تجھے خوش کرنے والی ہے۔یہی وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔بندۂ مومن اس شخص کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے کہ تم کون ہو؟ وہ جواب دیتا ہے میں تمہاری نیکیاں ہوں۔

براء بن عازب کی روایت کے مطابق روحیں ان کی قبروں میں رہتی ہیں۔علامہ تقی الدین سبکی شافعی فرماتے ہیں۔ سوال کے وقت روح جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔اگر میت نیک اور صالح ہو تو اس وقت سے لے کر قیامت قائم ہونے تک انعام الٰہی سے مستفیض ہوتی رہے گی اور اگر میت نیک اور صالح نہ ہو تو قیامت تک دردناک عذاب میں گرفتار رہے گی۔

بعض روایات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ روحیں زمین ہی میں محبوس رہتی ہیں۔اور گندی روحیں گندی روحوں کے ساتھ تعلق قائم کر لیتی ہیں اور پاکیزہ روحیں پاکیزہ روحوں کے ساتھ تعلق قائم کر لیتی ہیں اور ملاء اعلیٰ اور عالم بالا سے تعلق پیدا کر لیتی ہیں۔مومنین کی روحیں علیین میں رہتی ہیں اور کافروں کی روحیں سجین میں رہتی ہیں۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں۔روحیں دو قسم کی ہیں،عذاب میں مبتلا روحیں،اور ثواب میں رہنے والی روحیں۔عذاب میں مبتلا روحیں ایک دوسرے سے مل نہیں سکتیں۔البتہ راحت میں رہنے والی روحیں آپس میں ملتی ہیں،ان پر کیا گذری اور دنیا والوں پر کیا گذرتی ہے،وہ ایک دوسرے سے بات چیت کرتی ہیں۔ہر شخص کی روح اپنے اس جیسے ساتھی کی روح کے ساتھ ہوگی جس کا عمل جیسا ہوگا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔یہ بات بعید نہیں ہے کہ روحوں کا اصل ٹھکانہ اور مستقر علیین اور سجین ہی ہو مگر ان روحوں کا ایک خاص رابطہ قبروں کے ساتھ بھی ہو۔اس رابطہ و تعلق کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔جس طرح سورج اور چاند آسمان میں ہیں لیکن ان کی شعائیں زمین پر پڑتی ہیں اور اس کو روشن کر دیتی ہیں اور گرم بھی۔اسی طرح علیین اور سجین میں رہنے والی روحوں کا کوئی معنوی رابطہ قبروں سے ہو سکتا ہے۔

بعض روایتوں سے اہل ایمان اور اہل کفر دونوں کی روحوں کا ان کی قبروں میں رہنا ثابت ہے،چنانچہ اس سلسلے کی ایک روایت یہ ہے کہ جب مومن کی روح کو آسمان میں فرشتے لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کا اعمال نامہ علیین میں لکھ دو،اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو،کیونکہ میں نے اس کو زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور مرنے کے بعد اسی میں لوٹاؤں گا،پھر اسی زمین سے اس کو دوبارہ زندہ کر کے نکالوں گا۔اس حکم پر فرشتے اس کی روح کو قبر میں لوٹا دیتے ہیں۔کافر کی روح کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور یہی حکم ہوگا کہ اس کو اس کی قبر میں لوٹا دو۔

امام عبد البر نے اس روایت کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ سب کی روحیں موت کے بعد ان کی قبروں میں رہتی ہیں۔

اہل ایمان کی ارواح کو دنیا والوں کی دعاؤں اور صدقات سے فائدہ پہنچتا ہے۔زاد الاخرت کے مصنف لکھتے ہیں۔مومن کے لئے قبر کی آزمائش سات دن تک ہے،اور گناہ گار کے لئے چالیس دن تک ہے۔اگر میت کے گھر والے صاحب استطاعت ہوں تو چالیس روز تک ایصال ثواب کی نیت سے میت کے لئے صدقہ و خیرات کرتے رہیں۔اور اگر صاحب استطاعت نہ ہوں تو سات روز تک صدقہ و خیرات کرتے رہیں ورنہ کم از کم تین روز تک صدقہ و خیرات کا اہتمام

کرتے رہنا چاہیے۔

فقہ کی معروف کتاب بحرالرائق میں ہے۔صام او صلیٰ او تصدق و جعل الثواب لغیرہ من الاحیاء والاموات یصل ثوابه الیهم عند اهل السنة والجماعة۔ اہل سنت وجماعت کے نزدیک مالی اور بدنی عبادات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں۔حدیثوں میں اموات کے لئے دعا کرنے کا حکم ہے اور بالخصوص نماز جنازہ میں میت کے لئے دعا کرنے کی تاکید ہے اور اس پر سلف کا عمل تسلسل وتواتر اور توارث اختیار کر گیا ہے۔اگر اس عمل میں اموات کے لئے کوئی نفع نہ ہوتا تو یہ حکم اپنے اندر کیا معنی رکھتا ہے؟ زندوں کی جانب سے مردوں کو صدقہ وخیرات اور دعائے مغفرت کا ثواب پہنچتا ہے۔

حضرت سعد کی روایت بہت ہی مشہور ہے انہوں نے اپنی ماں کے انتقال کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا،میری والدہ کے حق میں ایصال ثواب کے لئے کون سا صدقہ افضل ہے تو آپ ﷺ نے جواب دیا لوگوں کو پانی پلاؤ۔اس حدیث میں پانی صدقہ کرنے کا حکم ہے جو اس وقت میں پانی کی قلت وضرورت کے پیش نظر تھا۔اس سے مراد یہ ہے کہ ہر انسانی ضرورت کی چیز صدقہ میں دی جاسکتی ہے۔

ان ام سعد ماتت،سل النبی صلی الله علیه و سلم ای صدقة افضل قال اسق الماء

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہر صاحب ایمان کی روح کو عافیت اور ثواب کی نعمت عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین واله الطبین و اصحابه الظاهرین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین۔واخردعونا ان الحمد لله رب العالمین

جواھر الحدیث

(الدعا مخ العبادۃ)

مولوی حافظ ڈاکٹر ابوالنعمان بشیر الحق قریشی
یم اے پی ایچ ڈی
استاذ دارالعلوم لطیفیہ ویلور

نبی اکرم ﷺ کی ہدایتیں، نصیحتیں اور تاکیدیں دو طرح کی ہیں، ایک زبانی، دوسری عملی، زبانی ہدایت بھی اپنی ذات سے عملی ہی ہے۔ کیونکہ آپ کا قول عمل سے مختلف ومتضاد اور عمل، قول سے مختلف متضاد نہیں رہا۔ آپ اپنی زبانِ مبارک سے جو بھی ارشاد فرماتے پہلے خود اس پر عمل پیرا نظر آتے۔ اسی پہلو کے پیش نظر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے لوگوں کے سامنے آپ کا تعارف ان لفظوں میں کیا۔ کان خلقہ القرآن۔ قرآن کریم آپ کے گفتار و کردار کا آئینہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں وحی الٰہی اور صاحبِ وحی ایک دوسرے کا عکس ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو جن احکامات کی تعلیم و تلقین اور ترغیب و تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک حکم دعا سے متعلق ہے۔ اس حکم کی نرالی شان یہ ہے کہ دعا آپ کی زندگی کا جز لاینفک رہی ہے۔ خوشی و مسرت کے لمحات ہوں یا رنج والم کی ساعتیں ہوں آپ اپنے ربِ کریم کی یاد اور دعا سے غافل دکھائی نہیں دیتے۔ زندگی کی نہ صرف بڑی ضرورتیں اور حاجتیں بلکہ معمولی چھوٹی چھوٹی سی ضرورتوں کی تکمیل میں بھی اللہ کی طرف رجوع فرماتے اور اپنے کردار سے لوگوں کو یہ پیغام سناتے تھے کہ آدمی کو اپنی ضرورتیں اور حاجتیں اپنے خالق و مالک سے مانگنی چاہئے۔ یہاں تک کہ اس کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو بھی اللہ سے دعا کرے، اور نمک جیسی معمولی سی چیز کی ضرورت ہو تو بھی اللہ سے دعا کرے۔ آپ کی یہی وہ فکر و سوچ تھی جس کی وجہ سے آپ کی زندگی کے روز و شب میں دعا ہی دعا نظر آتی ہے۔ یہ نبوی ﷺ مزاج و منہاج موجودہ زمانے میں امت مسلمہ کے مزاج و منہاج میں بہت کم داخل ہے۔ بلکہ لوگ دعا کی جانب بھی اس وقت مائل و متوجہ ہوتے ہیں جبکہ وہ کسی مصیبت و آفت میں مبتلا ہو جائیں اور اپنی ذات وقدرت سے دفع کرنے میں عاجز اور قاصر ہو جائیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں۔ حالانکہ دعا کا حکم یہ

ہے کہ اپنی قدرت اور عدم قدرت اور مصیبت و عافیت اور چھوٹی بڑی ضرورت میں دعا کا دامن تھامے رہے اور خوشحالی اور پریشان حالی ہر حالت و کیفیت میں دعا سے غافل نہ رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک حدیث امام ترمذی نے نقل کی ہے۔

ان الدعاء ینفع مما نزل و مما لم ینزل فعلیکم عباداللہ بالدعاء نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ کے بندو! دعا ہمیشہ کرتے رہو، دعا ان حوادث میں بھی مفید ہے جو نازل ہو چکے ہیں۔ اور ان حوادث میں بھی مفید ہے جو ابھی نازل نہیں ہوئے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ ہدایت دی ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ خوشحالی اور بدحالی دونوں حالتوں میں دعا کرتے رہیں بلکہ عیش ونشاط کی فراوانی اور آسودگی میں زیادہ سے زیادہ دعا کرنا چاہئے۔

عن ابی ھریرۃ من سرہ ان یستجیب اللہ لہ عندالشدائد فلیکثر الدعا فی الرخاء (ترمذی)

دعا بندہ کا ایک نیک عمل ہے لیکن اس کا ہر نیک عمل مفید اور ثمر آور ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے بعض نیک اعمال اخلاص اور للّٰہیت نہ ہونے کی وجہ سے دنیا میں بھی بے سود ہو جاتے ہیں اور آخرت میں بھی بے اجر و ثواب بن جاتے ہیں۔ لیکن دعا ایک ایسا نیک عمل ہے کہ اسکی افادیت دنیا میں بھی ظاہر ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ظاہر ہوتی ہے اور وہ ہر حال میں مقبول و مستجاب ہو جاتی ہے۔ اس کی مقبولیت کی تین صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ بندہ نے اللہ سے کوئی چیز مانگی، اللہ نے اس کی مطلوبہ چیز عطا کر دی، دوسری صورت یہ ہے کہ بندہ نے اللہ سے کوئی چیز طلب کی، اللہ نے اسکی مانگی ہوئی چیز نہیں دی، لیکن اس دعا کی وجہ سے اللہ نے بندہ کے اوپر سے اس بلا و مصیبت کو دور کر دی جو اس پر نازل ہونے والی تھی، اور تیسری صورت یہ ہے کہ بندہ نے اللہ سے کوئی چیز مانگی اس کی مطلوبہ چیز بھی نہیں ملی اور نہ ہی اس پر آنے والی بلا ٹل گئی بلکہ اس کی دعا کا اجر و ثواب اس کے نامۂ اعمال میں درج کر دیا گیا۔ چنانچہ ایک حدیث میں یہ وضاحت ہے کہ آخرت میں کچھ لوگوں کو بے پایاں اجر و ثواب سے نوازا جائے گا۔ اس منظر کو دیکھ کر دوسرے لوگ دریافت کریں گے کہ یہ کس عمل کا اجر و ثواب ہے جو ان لوگوں کو دیا جا رہا ہے؟۔ فرشتے بتلائیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کی اور انہوں نے کئی ایک چیزوں کو مانگا لیکن انہیں ان کی مطلوبہ چیزیں نہیں دی گئیں بلکہ ان کی دعاؤں کا اجر و ثواب جمع کیا گیا اور آج وہی اجر و ثواب ان لوگوں کو دیا جا رہا ہے۔ یہ سن کر لوگ حسرت کرنے لگ جائیں گے اور ان لوگوں پر رشک کریں گے اور ان کی زبانوں سے یہ جملے صادر ہو جائیں گے۔ کاش کتنا اچھا ہوتا ہماری دعائیں بھی قبول نہ

ہوتیں، کیونکہ آج ہماری دعاؤں کا مصرف ہے اور نہ دنیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے ایک صفت حیا بھی ہے جس کا ظہور دعا کے باب میں یوں ہوتا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کی بارگاہ میں اپنے ہاتھوں کو دراز کرتا ہے اور کسی چیز کا طلبگار اور فریاد کناں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے سے حیا ہوتی ہے کہ اسکے ہاتھوں کو خالی لوٹا دیے۔ امام ابوداؤدؒ کی حدیث ہے۔ ان ربکم حيى كريم يستحي من عبده اذا رفع يده ان يردهما صفرا۔ حضرت انس کی روایت کردہ حدیث میں یہ بات ہے کہ اللہ نے اپنی بے پایاں عطاو بخشش کے پیش نظر اپنے آپ پر یہ لازم کرلیا ہے کہ جب کوئی بندہ ہر نماز کے بعد ہاتھ پھیلا کر دعا مانگے تو اس کی دعا رد نہ کی جائے۔

ہر انسان کی زندگی میں روزی روٹی کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور زندگی میں امن وسکون اور عافیت، دشمنوں کے فتنہ اور شر سے محفوظ رہنے ہی میں پوشیدہ ہے۔ یہ دونوں چیزیں شب و روز دعا کرنے ہی سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ اور دعا ہی ایک مومن کے لئے ہتھیار ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔ الا ادلكم ما ينجيكم من عدوكم ويدر لكم ارزاقكم تدعون في ليلكم و نهاركم فان الدعا سلاح المؤمن۔ کیا میں تمہیں وہ عمل بتاؤں جسکے ذریعہ تم اپنے دشمنوں سے مامون ومحفوظ رہ سکو، اور تمہیں روزی روٹی مل سکے، اور وہ عمل یہ ہے کہ تم دن رات اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو۔ دعا ہی مومن کی طاقت اور ہتھیار ہے۔

ہر آدمی کی زندگی میں اللہ کا فضل ایک بنیادی اور کلیدی حیثیت رکھتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جس کسی کو بھی جو نعمتیں مل رہی ہیں یہ اللہ کے فضل کا نتیجہ ہے اور فضل ہی اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اسلئے ہر حال میں آدمی کو اللہ کا فضل مانگنا چاہئے۔ اور اس نعمت پر شکر گزار رہنا چاہئے، اور اللہ کو یہ بات بے حد پسند ہے کہ اس کا بندہ اس کی بارگاہ میں دعا کرتا رہے اور اس کا فضل طلب کرتا رہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ لوگو! اپنی دعاؤں میں اللہ کا فضل مانگو اور اللہ کو بندے کا سوال کرنا بے حد پسندیدہ ہے، اور اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ محبوب اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اور جب کوئی بندہ اس سے نہیں مانگتا ہے تو وہ اس سے ناراض اور غضب ناک ہوجاتا ہے۔

سَلوا الله من فضله فان الله يحب ان يسئل، ليس شي اكرم على الله من الدعاء، من لم يسال الله يغضب عليه۔ دعا کے باب میں اللہ تعالیٰ کی ایک عنایت والطاف یہ بھی ہے کہ جس نے ان اوقات ولمحات کی نشاندہی کردی ہے جن میں وہ بندے کی دعا سن لیتا ہے۔ یہ اطلاع وآگہی اور بشارت اس لئے ہے کہ بندہ ان مستجاب اوقات و

لمحات میں دعاؤں کا اہتمام کرے، اور غفلت سے ان اوقات کو کھو نہ بیٹھے۔ سورۃ بقرہ میں رمضان شریف کے روزوں کو فرض ٹھہرانے والی آیت کریمہ کے بعد ہی دعا کے حکم سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ رمضان کے مبارک و مسعود اوقات و لمحات میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ امام ابوداؤدؒ نے حدیث نقل کی ہے جسمیں افطار کے وقت روزہ دار کی دعا قبول ہونے کی وضاحت ہے۔ الصائم عند فطرہ دعوۃ مستجات۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی عادت تھی کہ وہ افطار کے وقت میں اپنے گھر والوں کو جمع کرتے اور جہری دعا کرتے تھے۔

دعا مانگنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک انفرادی، دوسری اجتماعی، اور اس میں ایک سری، دوسری جہری۔ سری دعا یہ ہے کہ بندہ اکیلا اور تنہا اپنے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور آواز بلند کئے بغیر اپنی زبان سے اپنی حاجت بیان کرے۔ اور جہری دعا یہ ہے کہ دعا کرنے والا قدرے بلند آواز کے ساتھ دعا کرے اور سری و جہری دونوں صورتوں کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے۔ جہری دعا کا تعلق اجتماع سے ہے جس میں ایک شخص باآوازِ بلند سارے لوگوں کے لئے دعا کرتا ہے اور عموماً سارے سامعین آمین کہتے چلے جاتے ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ تو اس دعا کو قبول فرما۔ اجتماعی دعا کا ایک امید افزا پہلو یہ ہے کہ کسی ایک آدمی کی آمین سے دعا قبول ہو جائے۔ جہری دعا اس اعتبار سے بھی مستحسن نظر آتی ہے کہ اس میں اجتماع کی رحمت و برکت شامل رہتی ہے۔ اور دین میں جمعیت اور جماعت کی جو اہمیت و افادیت ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود موجودہ زمانے میں بعض اہلِ علم فرض نمازوں کے بعد جہری دعا کو بدعت قرار دے رہے ہیں اور لفظِ بدعت کو بے محل اور بے موقع استعمال کر رہے ہیں۔ اور بعض ائمہ کرام کا یہ طرزِ عمل ہے کہ وہ فرض نماز کے بعد قدرے بلند آواز سے نامکمل درود شریف کے جملے ادا کرتے ہیں، پھر وہ سری دعا میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی تبعیت میں مقتدی بھی اپنی اپنی دعا میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ پھر ائمہ کرام کس قدر بلند آواز کے ساتھ والحمد للہ رب العالمین کے جملوں سے اختتامِ دعا کا اعلان کرتے ہیں۔ جسے سننے کے بعد مصلی اٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ دعا کا یہ موجودہ طریقہ سنت ہے یا بدعت ہے کچھ کہنا دشوار ہے۔ اس نیم جہری اور نیم سری دعا سے بہتر یہی ہے کہ سلام پھیرتے ہی امام و مقتدی اپنی اپنی راہ لے لیں۔ جہاں تک فرض نمازوں کے بعد جہری دعا کا جو مروجہ طریقہ ہے وہ ہمارے ملک میں صدیوں سے چلا آرہا ہے اور اس پر مختلف علاقوں کے علماء اور مشائخ تسلسل اور تواتر کے ساتھ عمل کرتے آرہے ہیں اور اس میں ایک طرح سے اجتماع کی صورت بھی نظر آتی ہے۔

فرض نماز کے بعد جہری دعا کے مبنی برصواب ہونے پر ایک حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جس شخص کو اللہ سے اپنی کوئی حاجت وضرورت پوری کرنی ہو تو اسے چاہئے کہ فرض نماز کے بعد دعا کرے۔ایک اور حدیث میں ہے کہ کسی صاحب نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، دعا کس وقت قبول ہوتی ہے۔ارشاد فرمایا شب کے آخری حصہ میں دعا کرو اور فرض نمازوں کے بعد دعا کرو، دعا قبول ہوگی۔عن ابی امامه قال قیل لرسول الله ﷺ ای الدعا اسمع قال جوف اللیل الآخرو دبر الصلوت المکتوت (ترمذی) مذکورہ حدیث میں فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کا حکم ہے، اسی کے ساتھ ساتھ یہ بشارت بھی ہے کہ فرض نماز کے بعد جو دعا کی جائے وہ قبول ہوگی۔اس حدیث میں دعا سے متعلق سری یا جہری کی قید نہیں ہے۔لہذا سری اور جہری دونوں رخ صحیح ہے البتہ جہری کو ترجیح دی جائے تو افضل ہے کیونکہ اس میں تعلیم وتذکیر اور اجتماعی برکت ہے۔علاوہ ازیں حضرت مسلم بن ابی بکرہ کی روایت وحکایت سے جہری دعا کی توثیق اور تصویب بھی ہوتی ہے کہ وہ سنت کی قبیل سے ہے ایسی صورت میں فرض نماز کے بعد جہری دعا منع کرنا خود اپنی جگہ ایک بدعت ہے۔امام مالک اور امام شافعی کے مسلک کی رو سے فرض نماز کے بعد دعا جہری ہو تو بہتر ہے تاکہ امام کی دعا پر مقتدی آمین کہہ سکے۔اور مقتدیوں کی تعلیم بھی ہو سکے۔

مسلم بن ابی بکرہؓ فرماتے ہیں، میرے والد ابو بکرہ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔اللّٰھم انی اعوذبك من الکفر والفقر و عذاب القبر۔اے اللہ میں کفر اور فقر اور عذابِ قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔ایک مرتبہ میں یہ دعا کر رہا تھا کہ میرے والد نے مجھ سے پوچھا میرے بیٹے یہ دعا تم نے کس سے سیکھی۔میں نے جواب دیا آپ ہی سے، میرے والد نے فرمایا، بیشک نبی کریم ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔

اس روایت سے یہ قیاس صحیح ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے فرض نماز کے بعد جہری دعا کی تھی جس سے حضرت ابو بکرہ کی سماعت ثابت ہے۔الغرض مطلق دعا مسنون ہے، البتہ اس کا جہری اور سری پہلو راجح ومرجوح، افضل ومفضول اور قوی وضعیف کے درجہ میں ہے۔علامہ ابن جزری نے دعا کے آداب میں لکھا ہے۔ان لا یخص نفسه بالدعا ان کان امامًا۔اگر امام ہو تو تنہا اپنے لئے دعا نہ مانگے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) امام موصوف نے دعا کے قبول ہونے کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ لکھا ہے کہ اجتماع المسلمین۔مسلمانوں کے جمع ہونے کے وقت میں دعا لائق قبول ہوتی ہے۔روز وشب میں مسلمانوں کا پنج وقتہ نمازوں کے لئے جمع ہونا خود ہی رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ہے، اور ایسے وقت

میں امام کا جہری دعا کرنا اپنی جگہ ایک مستحسن اور مستحب اور مندوب فعل ہے۔ البتہ اگر کوئی مانع ہو تو جہری دعا کرنا ممنوع ہے

سیاق میں دعا کی قبولیت کا ایک وقت وقتِ افطار بتلایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اوراوقات ہیں جن میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ مثلاً رات کا پہلا تہائی اور پچھلا حصہ، نصف شب، وقتِ سحر، شبِ جمعہ، یومِ جمعہ، ماہِ رمضان، شبِ قدر، یومِ عرفہ، اذان اور اقامت کا درمیانی وقفہ وغیرہ۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں یہ وضاحت ہے کہ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر اپنی تجلی فرماتا ہے اور کہتا ہے، ہے کوئی بندہ جو مجھ سے دعا کرے تو میں اُس کی دعا قبول کروں، ہے کوئی بندہ جو مجھ سے مغفرت چاہے تو میں اس کو معاف کردوں۔

جمعہ کے دن اللہ نے ایک ساعت اور گھڑی ایسی رکھی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے، لیکن اللہ نے یہ ساعت و گھڑی پوشیدہ رکھی تاکہ قبولیت دعا کی امید میں بندہ جمعہ کی ساعتوں کی تلاوت کی مقدار میں دعا کرتا رہے۔ اس ساعت کے بارے اہل علم کے مختلف اقوال ہیں۔ امام نووی کا قول ہے کہ وہ گھڑی امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نمازِ جمعہ ختم ہونے تک ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ وہ ساعت وگھڑی دو خطبوں کے درمیانی وقفہ میں ہے جس میں خطیب تین آیتوں کی تعداد میں بیٹھا رہتا۔ اس درمیانی وقت میں خطیب اور سامعین کو دل ہی دل میں دعا کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اگر ہاتھ اٹھا کر دعا کریں تو کوئی حرج نہیں۔ امام ترمذی نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں اس ساعت مستجاب کو نبی کریم ﷺ نے عصر سے غروبِ آفتاب تک تلاش کرنے کی ہدایت دی ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے بعض صوفیا کا یہ عمل رہا ہے کہ وہ جمعہ کے دن نمازِ عصر کے بعد مسجد سے نہیں نکلتے، وہیں بیٹھے ہوئے غروبِ آفتاب تک دعا میں مشغول رہتے۔

اذان اور اقامت کے درمیانی وقفہ میں دعا قبول ہونے کی وضاحت وصراحت بعض حدیثوں میں ہے۔ امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابوداؤد نے اپنے جوامع میں یہ حدیثیں درج کی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اذان اور اقامت کے درمیان ہونے والی دعا رد نہیں کی جاتی، لہذا تم اس وقفہ میں ضرور دعا کرو اور خصوصیت کے ساتھ اللہ سے دنیا اور آخرت میں عافیت طلب کرو۔ الدعاء بین الاذان والاقامه لایرد فاسلو الله بعافیة فی الدنیا والاخرة۔ دعا کے تعلق سے ایک بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ جب ہمیں دعا کے قبول ہونے کا علم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ یہ شکر گزاری اور نعمت شناسی ہمارے لئے مزید عنایت ربانی اور الطافِ رحمانی کا سبب بن جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ حیرت اور

استجاب کے پیرائے میں لوگوں سے مخاطب ہیں۔ ما یمنع احدکم اذا عرف الاجابة من نفسه فشفی من مرض او قدم من سفر ان یقول الحمد لله الذی بعزته و جلاله تتم الصالحات۔ جب تمہیں بیماری سے نجات حاصل ہوجائے یا تم سفر سے بخیریت اپنے گھر پہنچ جائیں تو تمہیں ان کلمات کے پڑھنے میں کیا چیز مانع ہے۔ الحمد لله الذی بعزته و جلاله تتم الصالحات۔ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جسکی قدرت سے ہمارے سارے کام حسن وخوبی کے ساتھ مکمل ہوئے ہیں۔

بارگاہِ خداوندی میں دعا مانگتے وقت نبی کریم ﷺ حضرات انبیاء ومرسلین اور صالحین کا وسیلہ لینا بھی شرع شریف کے موافق طرزِ عمل ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ کے توسل سے دعا مقبول اور مستجاب ہونے کی قوی امید ہے، اس طریقہ پر مبنی دعا کا اہتمام اہل سنت وجماعت کے خواص وعام میں صدیوں سے تسلسل اور تواتر کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ لیکن موجودہ زمانے میں توسل کا مسئلہ انکار وتردید افراط وتفریط اور غلو وتشدد کا شکار ہو چکا ہے اور اس کے بعض قائلین کے غلو آمیز عقائد واعمال اور منکرین کے تعصب وتشدد کے باعث بڑی پیچیدگیاں اور بدگمانیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ اگر دونوں فریقین صرف اسے اپنے موقف کی تائید اور دوسرے کے موقف کی تردید کی روش سے ہٹ کر مسئلہ توسل کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں اور اپنے اپنے فکر اور عمل میں شامل ناروا پہلوؤں سے کنارہ کش ہو جائیں تو توصل کا چہرہ بے غبار ہو جائے گا۔ فریقین کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ توسل نہ فرض ہے اور نہ شرک ہے بلکہ وہ ایک مفید ومستحسن عمل ہے۔ اس عمل پر پیرا ہونے والوں کو مشرکین سے یاد کرنا اور عمل نہ کرنے والوں کو گمراہ اور بدعقیدہ کہنا یہ دونوں نقطۂ نظر غیر شرعی، غیر علمی اور غیر اخلاقی ہیں۔ جس سے اجتناب و احتراز ہی میں خیر پوشیدہ ہے۔ قائلین کو یہ بات سوچنی چاہئے کہ دعاؤں کی قبولیت کا انحصار توسل ہی پر نہیں ہے۔ توسل کے بغیر بھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اسلام میں پاپائیت جیسی چیز نہیں ہے۔ اور مشرکانہ عقیدۂ توسل کی گنجائش نہیں ہے اور منکرین کو بھی یہ بات سوچنی چاہئے کہ دعا میں توسل غیر اللہ سے دعا کرنا نہیں ہے اور براہ راست اللہ سے دعا کرنے کے حکم میں، توسل مخالف ومتصادم اور منافی چیز نہیں ہے۔ دعا کا تعلق اللہ کی ذات سے ہے صاحب وسیلہ کی ذات سے نہیں ہے اور جس ذات کا وسیلہ لیا جا رہا ہے اسکو اللہ کی قدرت میں شریک اور سہیم نہیں سمجھا جا رہا ہے اور دعا میں جس ذات اور شخصیت کا وسیلہ لیا جا رہا ہے اسکی اصل اور بنیاد بارگاہ خداوندی میں اس کی محبوبیت ومقبولیت ہے۔ اور اس محبوبیت کی بنیاد اس بندۂ مقرب کے فضائل اور اعمالِ صالحہ ہیں۔ لہذا دعا میں توسل سے مراد ان کے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے دعا ہے اور اس کی

تائید حدیث الغار سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری مین درج ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تین آدمی جنگل میں جارہے تھے کہ اتفاقاً خوب زور کی بارش ہونے لگی، یہ تینوں افراد ایک پہاڑ کے غار میں پناہ گزین ہوگئے۔ تند و تیز ہواؤں اور زوردار طوفان کی وجہ سے ایک بہت بڑا پتھر غار کے دھانہ پر آگرا، جسکی وجہ سے غار کا منہ بالکل بند ہوگیا، اس بلائے ناگہانی سے نجات پانے کی کوئی راہ نہ تھی اوران تینوں سے پتھر ہٹانا ناممکن تھا۔ یہی غار قبر کی شکل اختیار کرگیا، اس صورت حال کے پیش نظر ایک شخص نے کہا۔ ہم میں سے ہر ایک نے جو بھی عمل صالح محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا ہے، وہ اسکے وسیلہ سے دعا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس عمل صالح کے توسل سے ہماری دعا سن لے۔ انظروا اعمالا عملتموها لله صالحة فادعوا الله بهاا وله يفرجها۔ ایک نے کہا، میرے والدین ضعیف تھے اور میں بکریوں کا دودھ دوھ کر سب سے پہلے اپنے والدین کو پلایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ رات گئے گھر پہنچا تو دیکھا کہ والدین سو گئے ہیں، میں نے بیدار کرنا پسند نہیں کیا، دودھ کا پیالہ ہاتھوں میں لئے ان کے سراہانے کھڑا رہا، تاکہ جوں ہی وہ نیند سے بیدار ہوجائیں تو دودھ پیش کرسکوں۔ یہاں تک کہ اسی انتظار میں صبح ہوگئی۔ میرے بچے بھوک سے روتے روتے سوگئے لیکن میں والدین کے بغیر بیوی بچوں کو پلانا پسند نہیں کیا۔

اے اللہ تو جانتا ہے اگر یہ عمل محض تیری رضا و خوشنودی کی خاطر تھا تو غار کا منہ کھول دے چنانچہ اس وقت غار کے منہ کا پتھر کچھ ہٹ گیا۔

پھر اس کے بعد دوسرے نے کہا، میری چچازاد بہن نہایت حسین و جمیل تھی اور وہ مجھے بے حد محبوب تھی اور میں چاہتا تھا کہ اس سے جنسی تسکین حاصل کروں لیکن وہ اس بات پر رضامند اور آمدہ نہ تھی، اتفاقاً ایک مرتبہ وہ روپیوں کی ضرورت سے میرے پاس آئی، اس وقت وہ مجبور تھی میں ایک سو بیس درہم دیتے ہوئے اس سے اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کی خواہش چاہی تو اس نے کہا اللہ سے ڈرو، صرف اتنا کہنا تھا کہ مجھ پر خوفِ الٰہی طاری ہوا اور میں اپنے فاسد ارادے سے باز آیا، اور وہ رقم بھی واپس نہیں لیا۔ اے اللہ تو جانتا ہے اگر یہ عمل محض تیری رضا و خوشنودی کی خاطر تھا تو اس غار کے منہ سے پتھر ہٹادے، چنانچہ غار کا منہ کچھ اور کھل گیا۔

اس کے بعد تیسرے شخص نے کہا میں عمارت تعمیر کروارہا تھا۔ ایک مزدور اپنی مزدوری لئے بغیر چلا گیا، میں نے اسکی اجرت سے ایک بکری خریدی اور اس سے نسل بڑھنے لگی، پھر اس رقم سے گائے، بیل اور ان کی نگرانی کے لئے ایک غلام

خریدا، کئی دن گزرنے کے بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور اپنی مزدوری طلب کیا تو میں نے کل اثاثہ جو اسی کی مزدوری سے جمع ہوگیا تھا، بے کم وکاست اس کے حوالے کردیا۔ اے اللہ تو جانتا ہے اگر یہ عمل تیری خوشنودی کی خاطر تھا تو غار کے منہ سے چٹان کو ہٹادے، چنانچہ پتھر ہٹ گیا اور غار کا منہ اس قدر کھل گیا کہ یہ تینوں سلامتی کے ساتھ باہر نکل آئے۔

اس حدیث میں اعمالِ صالحہ کے وسیلہ سے دعا کی گئی جو مقبول ہوئی۔ اس حدیث سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ دعاؤں میں اعمالِ صالحہ کا وسیلہ لینا درست ہے، اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جن اعمالِ صالحہ کا وسیلہ لیا جائے وہ اللہ کے نزدیک قبول ہونا ضروری ہے۔ ایک بندۂ مومن اپنے اعمالِ صالحہ کے مقابلے میں نبی کریم ﷺ اور حضرات انبیاء اور اولیاء کے اعمالِ صالحہ، اللہ کے پاس مقبول ہونے کا یقین کامل رکھتا ہے اسی لئے ان کے اعمال کو اپنے اعمال پر فوقیت اور ترجیح دیتا ہے۔ اور اپنی دعا میں ان حضرات نفوس قدسیہ کا توسل اختیار کرتا ہے اور دعا میں ان کے توسل سے مراد بھی یہی ہے کہ ان کے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے دعا کی جائے۔

اگر مخلوق کے وسیلہ سے دعا میں سوال ناجائز ٹھہرتا ہے تو اعمالِ صالحہ کے وسیلہ سے بھی مانگنا ناجائز ہوگا، کیونکہ اعمال بھی مخلوق ہیں۔ حضرات صحابہ کرام توسل سے صرف اعمال صالحہ کا وسیلہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ذوات کو بھی وسیلہ سمجھتے تھے۔ حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کو وسیلہ قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نزول بارش کی دعا فرمائی۔ اللھم انا نتوسل الیك بعم نبینا صلی اللہ علیه و سلم۔ اللہ ہم اپنے نبی محترم کے عمِ محترم کے وسیلہ سے دعا کر رہے ہیں۔ اس موقع پر حضرت عباس اگر چہ کہ تمام مسلمانوں کی دعاؤں میں وسیلہ تھے لیکن خود اپنی دعا میں نبی کریم ﷺ کا وسیلہ لے رہے تھے۔ اقبل دعای لاجل نبیك۔ اے اللہ میری دعا تیرے نبی ﷺ کے صدقے میں قبول فرما۔

دعا کے بعد بارش نازل ہوئی تو لوگ خوشی خوشی حضرت عباسؓ کی خدمت میں تحصیل تبرک کے لئے پہنچ گئے۔ اس موقع پر حضرت عمر کی زبان سے یہ جملے صادر ہوئے۔ ھذا واللہ الوسیلة الیٰ اللہ عزوجل۔ واللہ یہی (حضور کے چچا حضرت عباس) اللہ کی طرف وسیلہ ہیں۔ حضرت عمر کا یہ قول بھی موجود ہے۔ اتخذوہ وسیلة الیٰ اللہ عزوجل۔ لوگو! دعا میں اس ذاتِ گرامی (حضرت عباس) کو اللہ کی طرف وسیلہ بنالو۔

علامہ سبکی شافعی فرماتے ہیں۔ حدیثِ غار کے الفاظ سے یہ بات ثابت ہے کہ جس کے وسیلہ سے دعا کی جائے، اللہ کے نزدیک اس کی قدر ومنزلت اور محبوبیت کا ہونا ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ کی قدر ومنزلت اللہ تعالیٰ کے پاس بہت

ہے، جو شخص بھی اس سے انکار کرے وہ کافر ہوجاتا ہے،اور بحق نبی اس سوال کا مطلب بھی اللہ کے پاس آپ کے مقام و مرتبہ سے سوال ہے۔حق واجب، کوئی بھی مراد نہیں لیتا۔کیونکہ یہ بات ایک عام مسلمان بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کسی مخلوق کا حق واجب پہنچاتا ہے،اور فقہانے اس لفظ کے اطلاق سے روکا ہے۔وہ ایسے شخص کے لئے جو حق کا مطلب نہ سمجھتا ہو،اور یہ بات صاف اور واضح ہے کہ حق سے مراد مرتبہ اور مقام ہے، یا پھر وہ حق ہے جو خود اللہ نے اپنے فضل وکرم سے بندوں کے لئے وعدہ فرمایا جیسا کہ حدیث میں ہے۔فیا حق العباد علیٰ اللہ

نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنے میں دورائے ہو ہی نہیں سکتی، آپ کی زندگی میں بھی آپ کے توسل سے دعا کا ثبوت ملتا ہے اور آپ کی وفات شریف کے بعد بھی دعا کا ثبوت ملتا ہے۔حضرت عثمان بن حنیف کی روایت کردہ حدیث بہت ہی مشہور ہے،امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے اپنے مجموعہ احادیث میں درج کیا ہے۔ایک نابینا شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لئے دعا فرمایئے کہ میری آنکھوں میں روشنی پیدا ہوجائے۔حضور اکرم ﷺ نے سائل کو صبر کی تلقین کی،فرمایا شاید تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔نابینا نے دوسری مرتبہ التجا کی اور عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میری رہنمائی کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے اور میں سخت مشکل میں ہوں۔اس کی بات سننے کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، اچھی طرح وضو کرو، دورکعت نماز پڑھو، پھر اللہ سے فریاد کرو اور عرض کرو کہ تیرے نبی رحمت محمد ﷺ کے وسیلہ سے تیری جانب متوجہ ہوں۔اے محمد ﷺ! میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، میری آنکھیں روشن کردے۔اے اللہ! تو اپنے نبی کی شفاعت کو میرے بارے میں اور میری اس فریاد کو میرے حق میں قبول فرما۔

ابن حنیف فرماتے ہیں۔اللہ کی قسم، ہم ابھی مجلس سے اٹھے بھی نہ تھے کہ وہ شخص داخل ہوا اور اسکی آنکھیں روشن ہو چکی تھیں۔

نبی کریم ﷺ کی وفات شریف کے بعد بھی امت میں اس دعا کے ذریعہ توسل کا سلسلہ جاری رہا، آپ کی قبر انور پر حاضر ہوکر آپ کے توسل سے دعا کرنے کو علماء، فقہاء کی اکثریت نے مستحسن خیال کیا۔اور آپ ﷺ سے یہ عرض کرنے کی تلقین کی کہ آپ ہمارے لئے دعا کیجئے،اور یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی اُمت کے لئے اپنی حیات ظاہری میں دعا کرتے ہی رہے اور آج بھی اپنی حیات باطنی میں دعا کا سلسلہ جاری وساری ہے جیسا کہ عبداللہ بن مسعود نے یہ حدیث بیان کی ہے۔حیاتی خیر لکم تحدثون واحدث لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم۔فما

رایت من خیر حمدت الله علیه۔ومارایت من شر استغفر الله لکم ۔میری زندگی تمہارے لئے خیر ہےاور میری وفات بھی تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ (میری قبر میں) تمہارے اعمال میرے سامنے پیش ہوا کریں گے، اگر نیکیاں دیکھوں تو اللہ کا شکرادا کروں گا اور اگر برائیاں دیکھوں تو تمہارے لئے استغفار کروں گا۔

نبی کریم ﷺ نے دعا میں خود اپنی ذات کا وسیلہ لیا اور انبیائے کرام کا توسل اختیار کیا ہے۔حاکم نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد جنہوں نے حضور اکرم کو ماں کا پیار دیا، جب اُن کا انتقال ہوا تو حضور اکرم ﷺ انکی قبر میں اترے، میت کو قبر میں لٹاتے ہوئے اللہ سے یہ دعا فرمائی۔اغفر لامی فاطمہ بنت اسد... بحق نبیك والانبیاء الدین من قبلی فانك ارحم الراحمین۔اے اللہ میری ماں کی مغفرت فرما تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلہ سے اور ان نبیوں کے وسیلہ سے جو مجھ سے پہلے آئے، تو ارحم الراحمین ہے۔

اس حدیث کا خاص پہلو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے توسل ہے اور انبیائے کرام سے بھی توسل اور اموات سے بھی توسل ہے۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی جذب القلوب میں لکھتے ہیں۔دریں حدیث دلیل است بر توسل درہر دو حالت نسبت آنحضرت صلی الله علیه وسلم در حالت حیات،و نسبت بانبیاء علیهم السلام بعد از وفات،وچون توسل انبیاء دیگر صلوات الله علیه وعلیهم اجمعین،بعد از وفات جائز باشد،به سید الانبیاء علیه افضل التحیة والصلاة و اکملها بطریق اولیٰ جائز باشد۔بلکه بایں حدیث توسل باولیائے خدا نیز بعد از وفات ایشاں قیاس کند۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی دنیاوی زندگی اور انبیاء کی اخروی زندگی میں توسل کے لئے واضح دلیل موجود ہے۔جب انبیاء کی برزخی زندگی میں وسیلہ جائز ہے تو سیدالانبیاء کی برزخی زندگی میں توسل بطریق اولیٰ جائز ہے۔ بلکہ اسی حدیث سے یہ قیاس درست ہے کہ اولیائے کرام کی وفات کے بعد ان سے بھی توسل جائز ہے۔

توسل کا مسئلہ خالص علمی اور عرفانی نوعیت رکھتا ہے۔سادہ لوح عوام کے غیر شرعی خیالات وحرکات اور بعض انتہا پسند افراد کے غلو پر مبنی عقائد واعمال کی وجہ سے توسل کی شرعی حیثیت متاثر اور مجروح نہیں ہوسکتی۔اس کے موافق شرع شریف ہونے کا ثبوت تاریخی تسلسل اور تواتر کے ساتھ موجود ہے۔توسل کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ، انبیاء اور اولیاء کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں اور ایسے الفاظ نہ استعمال کئے جائیں جن کے اندر شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کریں، الٰہی بحرمت سید الانبیاء، الٰہی بحق محمد ﷺ، الٰہی بحرمت فلاں، الٰہی ببرکت فلاں۔ کسی بزرگ کا شعر ہے ۔

بحقِ سرورِ عالم محمد ﷺ بحق برترِ عالم محمد ﷺ

دوسری صورت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور انبیاء وصلحاء کی مزارات پر جائیں اور ان نفوسِ قدسیہ سے دعا کی درخواست کریں۔ اللہ کی حمد وثناء کریں، صاحب قبر کی روح مبارک پر آیات قرآنیہ کا ثواب ایصال کریں۔ صاحب مزار کے توسل سے دعا کریں۔ پھر صاحب قبر سے دعا کی درخواست کریں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور اولیائے کرام سے مقصود طلب کیا جائے۔ یہ صورت نہایت نازک اور دقیق ہے اور یہ خواص اہل علم کے خاطر ہے کیونکہ اس میں متوسل کی نظریں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر ہونی چاہئے۔ اور اللہ ہی کو موثر حقیقی، قادر بالذات، فاعل حقیقی سمجھتے ہوئے غیر اللہ کو صرف مظہر عون الٰہی کی صورت تصور کرنی چاہئے۔ ظاہر ہے کہ عوام یہ معانی ومفاہیم اور قیودات ملحوظ نہیں رکھ سکتے۔

دعا کا ایک اہم ترین پہلو یہ ہے کہ وہ عبادت ہے، بلکہ عبادت کا مغز ہے، الدعا مخ العبادة۔ اور عبادت صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہے۔ اس جہت سے یہ حقیقت بھی نمایاں ہو جاتی ہے کہ دعا بھی اللہ ہی کے لئے خاص ہے، غیر اللہ سے دعا کا تعلق قائم نہیں کیا جا سکتا۔ فادعوا الله مخلصين له الدين۔ ادعوا ربكم۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبادات میں دعا سے بڑھکر کوئی شئی برتر اور بزرگ نہیں ہے۔ ليس شئی اكرم على الله من الدعا۔ دعا اللہ تعالیٰ کے نزدیک معظم اور مکرم ہے دعا قضا وقدر کو بھی بدل دیتی ہے اور نیکی آدمی کی مقرر اور متعین عمر کو بھی بڑھا دیتی ہے۔ امام ترمذی نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ لا يريد القضاء الا الدعا و لا يزيد العمر الا في برالوالدين۔ قضا وقدر میں کوئی تبدیلی نہیں، لیکن دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے، آدمی کی مقررہ عمر میں کوئی اضافہ نہیں لیکن والدین کے ساتھ نیکی کی جائے تو عمر بڑھا دی جاتی ہے۔ تقدیر انتہائی دقیق حقیقت ہے اسکے بارے میں سکوت ہی سلامتی کا ضامن ہے۔ اس دقیق مسئلہ سے متعلق قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ہے۔ يمحو الله مايشآ و يثبت و عنده ام الكتاب۔ اللہ تعالیٰ مختار ہے جو چاہے کر دے، اللہ جس لکھے ہوئے کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثبت فرماتا ہے۔ اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے۔

تقدیر دو قسم پر ہے۔ایک مبرم، دوسری معلق۔تقدیر مبرم یہ ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔اور تقدیر معلق یہ ہے کہ اس میں بعض وجوہات کی بنا پر تبدیلی ممکن ہے۔اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ فلاں آدمی پر فلاں آفت نازل ہوگی اور اگر اس نے دعا کی تو یہ آفت ٹل جائے گی۔اور اگر آدمی نے اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کی تو اسکی عمر بڑھادی جائے گی، ورنہ اسکی جو عمر لکھ دی گئی ہے، اتنی ہی ہوگی۔اور یہ تقدیر معلق فرشتوں کے علم کے اعتبار سے ہے۔اللہ تعالیٰ کو تو یہ علم ہے ہی کہ فلاں دعا کرے گا یا نہیں کرے گا، اور فلاں بندہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرے گا، یا نہیں کرے گا۔اسلئے اس کے علم کے مطابق یہ تقدیر مبرم ہی ہے۔تقدیر معلق فرشتوں کے علم کے مطابق ہے۔الغرض مذکورہ حدیث کی روشنی میں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ دعا کی وجہ سے آدمی کی تقدیر بدل جاتی ہے۔لیکن تقدیر ایسی چیز ہے جس کے بارے میں غور وفکر کرنے اور گفتگو کرنے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے، لہذا اس سلسلے میں سکوت ہی ایمان کی سلامتی کا ذریعہ ہے۔

دعا کا ایک اہم ترین پہلو آداب دعا کی رعایت ولحاظ ہے۔ان میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ہم دعا کرنے سے پہلے اپنے دل ودماغ کو تمام فاسد خیالات وافکار سے پاک وصاف کریں اور کامل یکسوئی وانہماک اور توجہ کے ساتھ اللہ کی طرف مائل اور متوجہ ہوجائیں اور یہ احساس وشعور رہے کہ ہم ایک ایسی ہستی اور ذات وحدہٗ لاشریک کے حضور میں ہیں کہ اس کی قدرت آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی ساری چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔اور کوئی چیز اسکے علم و قدرت اور قبضہ وتصرف سے باہر نہیں ہے۔اور وہ اپنے بندوں پر بے پایاں اور بے انتہا رحم وکرم کرنے والا اور عفو ودرگزر کرنیوالا اور بے حد عطا کرنے والا ہے۔ہر ایک کی فریاد سننے والا ہے، کسی کے ہاتھ خالی لوٹانے والا نہیں ہے۔ان احساسات وکیفیات اور جذبات سے سرشار رہتے ہوئے دعا کے قبول ہونے کا پورا پورا یقین رکھتے ہوئے انتہائی عاجزی و انکساری اور حضور قلب کے ساتھ دعا کرنی چاہئے۔جسم کے رورو سے محتاجی ودرماندگی، بے بسی و بے چارگی اور غلامی کی کیفیت نمایاں رہنی چاہئے اور یہی عبدیت کی شان ہے اور اللہ کو اپنے بندے کی یہی حالت بے حد پسند ہے۔واللہ الغنی وانتم الفقراء۔دعا میں پاک وصاف اور حلال چیزیں طلب کرنی چاہئے، ناپاک اور حرام چیزیں نہیں مانگنی چاہئے۔دعا سے پہلے اپنی بساط کے مطابق صدقہ وخیرات کا اہتمام کرنا چاہئے اور دو رکعت نماز پڑھ لینی چاہئے اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنی چاہئے۔اور سب سے پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کرنی چاہئے، پھر رسول مقبول سیدنا محمد عربی ﷺ پر درود بھیجنا

چاہئے۔اس کے بعد اللہ سے جو مانگنا ہو، مانگنا چاہئے۔اپنی فریاد مکمل کر لینے کے بعد نبی کریم ﷺ پر صلوۃ وسلام پیش کرنا چاہئے۔دعا کے شروع میں بھی درود اور آخر میں بھی درود پڑھ لینی چاہئے۔اللہ تعالیٰ اس دعا کو پسند نہیں کرتے جس میں اس کے محبوب بندے اور رسول مقبول کی بارگاہ میں صلوۃ وسلام کا نذرانہ پیش نہ کیا گیا ہو۔

حضرت فضالہ بن عبید فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو دعا کرتے ہوئے سنا، جس نے اپنی دعا میں حمد بیان نہیں کی، اور اس کے حبیب پیغمبر ﷺ پر درود نہیں بھیجا، آپ ﷺ نے فرمایا، اس آدمی نے اللہ سے فریاد کرنے میں جلد بازی کی۔ پھر آپ ﷺ نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا اور اس سے فرمایا، دعا کرنے سے پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کرو پھر اس کے رسول ﷺ پر درود بھیجو، پھر اسکے بعد جو تم چاہو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

مذکورہ حدیث تقریری کے علاوہ حدیث قولی اور حدیث فعلی سے بھی دعا کے آداب اور طریقہ کا علم ہوتا ہے۔حضرت مالک بن دینار کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم اللہ سے دعا کرو تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنے چہرہ کی جانب کرو اور دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کو اپنے سینوں کے برابر اٹھاؤ، دعا ختم ہونے کے بعد اپنے ہاتھوں کو اپنے چہروں پر پھیر لو۔

امام ابو داؤد نے یہ حدیث نقل کی جسکی روایت سائب بن یزید نے کی ہے۔نبی کریم جب دعا فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے۔دعا ختم ہونے کے بعد اپنے چہرہ پر ہاتھ پھیر لیتے۔اذا دعا روح یدیه و مسح یدیه۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، دعا کرتے وقت تم اپنے ہاتھوں کو اپنے دونوں منڈھوں تک یا اسکے قریب تک اٹھاؤ۔المسلة ان ترفع یدیك حذو منكبيك او نحو هما۔

دعا سے متعلق یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ کسی چیز کے حصول اور مراد کی تکمیل کے لئے اور کسی مصیبت سے نجات پانے کے لئے ہر وقت مسلسل دعا کرتے رہنا چاہئے۔دعا قبول ہونے کی علامتیں دکھائی نہ دیں تو مایوس نہیں ہونا چاہئے اور اللہ کی ذات سے بدگمان نہیں ہونا چاہئے، اور ہر حال میں اللہ سے حسن ظن اور دعا مقبول ہونے کی پوری پوری امید رکھنی چاہئے۔کیونکہ اللہ بندہ کے خیال وگمان سے قریب ہے اسکے بارے میں بندہ جیسی سوچ رکھتا ہے، اللہ بھی اسکے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتا ہے۔اور دعا ہمیشہ صرف اپنے لئے ہی نہیں مانگنا چاہئے بلکہ اپنے بیوی بچوں، ماں باپ، بھائی بہن، رشتہ دار، دوست واحباب بلکہ اپنے دشمن کے لئے بھی دعا کرنا چاہئے۔

اپنی دعاؤں میں زیادہ تر وہی دعائیں پڑھئے جو نبی کریم ﷺ سے منقول اور ثابت ہیں۔اس کے ساتھ اپنے

خصوصی اور ضروری مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنی زبان میں دعائیں کیجئے۔ دعائیں قبول ہونے کے لئے ایک خاص بات کا خیال رکھئے کہ اپنے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے اور دینے دلانے بلکہ ساری چیزوں میں ناجائز اور حرام کو جگہ ہرگز نہ دیں۔ ہر قدم اٹھانے سے پہلے اور ہر معاملہ کرنے سے پہلے یہ دیکھیں کہ اس میں حرام اور ناجائز کا عمل دخل تو نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے آگاہ کردیا ہے کہ وہ جسم جنت میں نہیں جائے گا جس کی نشونما حرام سے ہوئی ہو۔ لہذا ہمیشہ اپنی توجہ حلال اور جائز کی طرف مبذول رکھیں۔

حرام اور ناجائز چیزوں کے اثرات سے ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں۔ امام مسلم کی نقل کردہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمارے لئے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتے ہوئے مقدس ومتبرک پر حاضری دیتا ہے۔ لمبی مسافت کی وجہ سے اسکا چہرہ، بدن ولباس غبار آلود ہے اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلاتے ہوئے فریاد کرتا ہے۔ اے میرے رب.... اے میرے رب.... حالانکہ اسکا کھانا پینا حرام ہے اور اسکا لباس حرام ہے اور اسکے جسم کی پرورش حرام ہی سے ہوئی ہے تو ایسے آدمی کی دعا کیوں کر قبول ہوسکتی ہے؟

سیاق میں دعا سے متعلق جو بھی باتیں بیان کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق راقم الحروف اور اس کی اولاد اور قارئین اور ان کی اولاد کو عطا فرمائے۔ اولاد کے حق میں دعا کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے باتوفیق ہونے ہی میں کسی آدمی کے لئے دنیا میں راحت اور آخرت میں نجات ہے۔ اللہ اپنی تحریری دعا کو اپنے حبیب پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت اور آپ کے اصحاب اور قیامت تک ان کے متبعین کے توسل سے دعا قبول فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین والہ الطیبین واصحابہ الظاھرین و من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین ۔واخردعونا ان الحمد للہِ رب العالمین۔

نقوش طاہر

سالنامہ اللطیف میں حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمۃ سابق ناظمِ دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور۔کا ایک مفید و دلچسپ اور فکر انگیز مضمون ''**وقت کی پکار**'' اس شمارہ کی زینت ہے۔

ادارہ

ہزاروں درود و سلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی صفات پر جو محبوبِ رب العالمین و رحمۃ للعالمین ہیں۔ایک حکیم دانہ سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کو کب تک علم حاصل کرنا چاہئے۔اس نے جواب میں کہا کہ جب تک حیات مہربان رہے۔

علم ایک عمدہ نعمت اور سرمایہ حیات ہے۔علم کی روشنی وہ روشنی ہے جس سے آدمی دانا و دینا ہوتا ہے۔ طبعیت میں جولانی پیدا ہوتی ہے۔بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک بنتا ہے اور اس میں اللہ کا ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے۔پاکیزہ اور شائستہ زندگی اختیار کرتا ہے اور سوسائٹی میں باعزت مقام حاصل کرتا ہے۔

اس طرح ایک اور حکیم دانہ کا قول ہے کہ علم جیسی عمدہ نعمت کے پھیلانے میں جو بھی صرف کرے گا اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کنواں کا پانی جب خالی کیا جاتا ہے تو تھوڑی ہی دیر بعد پہلے جتنا تھا وتنا ہی رہتا ہے اور کنواں کبھی خالی نہیں رہتا بلکہ ہمیشہ بھرا رہتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ زمانہ سلف کے لوگوں میں علم کا شوق زیادہ تھا اور علم کے پھیلانے میں زیادہ کوشاں رہتے تھے۔خالق کائنات نے بھی انہیں دین و دنیا کی دولت سے نوازا تھا۔لیکن موجودہ دور میں بے بسی و بے حسی حد سے فزوں ہو چکی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جا بجا جہالت کی تاریکیوں نے لوگوں کو علم کی ان برکتوں اور فائدوں سے بھی محروم کر دیا ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے۔

کمال افسوس کے ساتھ چند عبرت انگیز واقعات ناظرین کے لئے پیش کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

بیجاپور کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت اتنی ابتر ہے کہ اکثر مسلمان جہالت اور تاریکی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لاعلمی کی وجہ مذہب سے بہت ہی دور ہو چکے ہیں۔ ان کی بے بسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے پنڈت وہاں کے مسلمانوں میں اپنا مذہب پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ چند سال قبل وہاں کے چند مسلمانوں نے پریشان ہو کر بنگلور کو ایک تفصیلی خط لکھا کہ یہاں مسلمانوں کی حالت بہت ہی ناگفتہ ہے۔ لہذا چند علماء کو روانہ کریں تاکہ وعظ وغیرہ کے ذریعہ اسلام کے صحیح اصول اور خوبیاں بیان کریں اور اس طرح انہیں کفر میں مبتلا ہونے سے بچالیا جائے۔

ایک اور واقعہ ملاحظہ کیجئے کہ ہمارے ہی علاقۂ مدراس میں حکومت کے بہت بڑے آفیسر صاحب کے ایک خاص فرد جو گریجوٹ ہیں اپنے ہی مذہب سے اتنے ہی لاعلم ہیں کہ انہیں اور ان کی اہلیہ کو نماز وضو وغسل کے فرائض تک معلوم نہیں....!

اب بتایئے کہ جب انہیں وضو کرنا نہیں معلوم اور نہ نماز پڑھنی آتی ہے اور نہ ہی غسل کا طریقہ جانتے ہیں تو ان کی مذہبی حالت کیا ہوگی۔ جب یہ مذہب سے اتنے بے خبر ہیں اور ایمان کی چاشنی اور حقیقی لذتوں سے دور ہیں تو ان کی مابعد والی نسلوں کا کیا حال ہوگا؟۔ یہی حالت عام طور پر اکثر جہلا کے طبقے میں بیڑی سازوں اور ٹانگے والوں میں پائی جاتی ہیں۔ آج کل اسکولوں میں لادینی تعلیم دی جارہی ہے اس کا بھی لازم نتیجہ یہی ہو رہا ہے کہ مسلمان بچے اپنے مذہب سے لاعلم اور بہت دور ہوتے جارہے ہیں۔

جنوبی ہند کے بعض مقامات میں مسلمانوں میں غیر اسلامی عقیدے پھیلتے جارہے ہیں حتیٰ کے بعض جگہوں پر مسلمان بچوں کے ہندو نام رکھے جاتے ہیں اور مزید اس پر یہ کہ ہندو مسلک کے مطابق ایک مسلمان نے اپنی حقیقی بھانجی سے نکاح کرلیا ہے۔ ایسی بہت سی چیزیں منظر عام پر آرہی ہیں جن کا تدارک فوری طور پر ضروری اور لازمی ہے۔ دیگر بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں لوگوں کو شادی، طلاق، قلع و دیگر احکامِ شرعیہ سے کوئی واقفیت نہیں ہے۔

وقت کا تقاضہ ہے کہ ہر شہر اور دیہات میں اور ہر کوچہ ومحلّہ کی مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا جائے اور مسجد ہی کے امام کی تنخواہ میں اضافہ کر کے مدرس کا کام بھی سپرد کیا جاسکتا ہے اس طرح ہم بہترین طریقہ پر اپنی قوم و

ملت کی خدمت کا کام انجام دے سکتے ہیں۔شہرو دیہات ومحلّہ کے بچوں کو چاہئے کہ انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے یا اورکوئی پیشہ کرتے ہوئے اپنی دینی اورروحانی تعلیم بھی ان مدرسوں میں ایک وقت مقررہ پرتھوڑی دیرحاصل کریں تاکہ ضروریاتِ دین پورے ہوسکیں۔مثلاً نماز،روزہ،وضو،غسل،وغیرہ کے فرائض و سنن سے واقف ہوجائیں اوراس سے ان کی دین اوردنیا کی زندگی بہتر ہوجائے۔

قوم کا ایک بہت بڑا طبقہ جوان نعمتوں سے محروم ہے شرک و بدعت جیسی رسومات میں مبتلا ہے۔قوم کے خوش نصیب خوش حال لوگوں کو چاہئے کہ اپنے اسلاف کی طرح ان نونہالوں کی اصلاح اوران سے جہالت کی تاریکی دورکرنے کی سعی بلیغ فرمائیں جس طرح رات کی تاریکی ختم ہوکرصبح کی روشنی پھیلنی شروع ہوتی ہے اسی طرح یقیناً ایک نہ ایک دن گھر گھر علم کا چرچہ ضرور ہوجائے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اس وقت کی پکارکو قبول فرمائے اورتمام مسلمانوں کودین اسلام کی بلند پایہ اصولوں پر پابند وقائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين
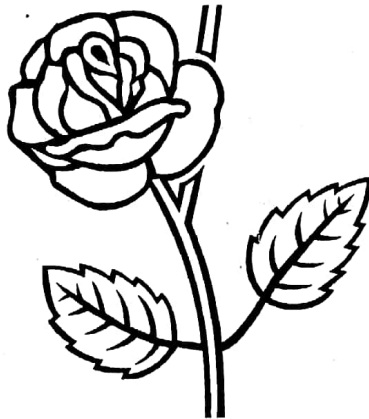
پرتوئے جمال کا کمال

از: ڈاکٹر سید عثمان شاہ قادری

ناظم دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور

آقائے دوجہاں سرکارِ مدینہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی شعائیں جس پر پڑی وہ کائنات کے ہر چیز سے واقف ہوگیا۔ یعنی اُس کی آنکھوں سے سارے حجاب اٹھ گئے اور اس نے ہر ایک چیز کا مشاہدہ کیا۔

ایک مرتبہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے بعد موزہ پہننے کا قصد فرمایا لیکن دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا موزہ ایک پرندہ جس کا نام عقاب ہے اڑا لے گیا اور عقاب نے موزہ کا منہ زمین کی طرف کیا جس سے ایک سیاہ سانپ گرا اور اس عمل کے بعد عقاب نے موزہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوا میں اڑتے ہوئے موزہ میں سانپ کو دیکھا تو یہ میرا کمال نہیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نور اور روشنی کا فیضان اور عکس تھا۔

ایک مرتبہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اے علی کیا آپ نے کبھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اس سوال سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت حیران ہوئے۔ کیونکہ آپ کی پرورش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمائی آپ انہی کی گودِ مبارک میں آنکھیں کھولی تھی۔ آپ سیدھے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے یہ واقعہ سنایا کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح پوچھا۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس سوال کو سن کر فرمایا کہ میں نے بھی ایک ہی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حیران ہوئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ایک بار سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عمامہ مبارک میرے سر پر رکھا تو اس وقت میں نے کائنات کے ہر شئے کا مشاہدہ کیا کوئی چیز مجھ سے پوشیدہ نہیں رہی اور جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ مبارک اٹھالیا وہ ساری چیزیں پوشیدہ ہوگئیں۔

تو یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتوئے جمال کا کمال جو کوئی اس نورانی شعائیں میں آجائے اس کے لئے کوئی حجاب نہیں رہتا وہ ہر ایک چیز کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔

المصابیح للتراویح

تراویح کی نماز

از: مولوی سید نیاز احمد آمری جمالی
پرنسپل دارالعلوم جمالیہ، چنئی

نمازِ تراویح ماہِ رمضان کی خصوصیت ہے۔ یہ نماز دیگر مہینوں میں نہیں پڑھی جاتی۔ اسی لئے نمازِ تراویح شروع کرنے سے پہلے رمضان کے ہلال کا انتظار کیا جاتا ہے اور جب ماہِ شوال کے ہلال کی خبر آجاتی ہے تو نمازِ تراویح موقوف کردی جاتی ہے۔ اس نماز کی مسنون تعداد بیس رکعتیں ہیں۔

چند برسوں سے یہ بدعتِ سیئہ عام کی جارہی ہے کہ نمازِ تراویح کی رکعتوں کی تعداد صرف آٹھ ہے۔ حالانکہ یہ تعداد نمازِ تہجد کے سلسلہ میں منقول ہے۔ نمازِ تہجد کے لئے رمضان کی تخصیص نہیں کیونکہ یہ سال بھر پڑھی جاتی ہے۔ نمازِ تراویح کے سلسلہ میں آٹھ رکعتوں کا دعویٰ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ آٹھ رکعت تراویح کا پرچار کرنے والے اپنے مدّعا کو ثابت کرنے کے لئے چند ایسی حدیثوں کا سہارا لیتے ہیں جن میں نمازِ تراویح کا بالکل ذکر نہیں اور نہ حدیثیں نمازِ تراویح سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس وجہ سے امت مسلمہ پریشان ہے۔ ہم مذہب اسلاف اور صحیح موقف کو ثابت کرنے کے لئے چند حدیثیں حوالہ جات کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ اس فتنہ کا سدّ باب ہو۔

اختصار کے پیش نظر ہم صرف پانچ دلائل پیش کررہے ہیں ورنہ بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں کثیر احادیث اور صحابہ وتابعین کے بیشمار اقوال مروی ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان میں وتر کے علاوہ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔ (ابنِ ابی شیبہ، بیہقی اور طبرانی)

اس حدیث میں دو باتوں کا ذکر ہے (۱) نمازِ تراویح بیس رکعت ہے اور (۲) یہ نماز ماہ رمضان کے ساتھ مخصوص

ہے۔ یقیناً یہ تہجد کے علاوہ الگ نماز ہے کیونکہ نمازِ تہجد سال بھر پڑھی جاتی ہے اسکے لئے ماہِ رمضان کی تخصیص نہیں کی جائے گی۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کان یؤمھم فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ و یوتر بثلاث حضرت علی رضی اللہ عنہ ماہِ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت نماز پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ (ابنِ ابی شیبہ، بیھقی)

حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی، دامادِ رسول اور خلیفہ چہارم ہیں۔ آپ کے عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نمازِ تراویح کی رکعتوں کی تعداد بیس ہے اور اسے گھٹا کر آٹھ بنا لینا یقیناً بدعت اور دین میں تحریف ہے۔ اس روایت کے علاوہ بھی متعدد روایتیں ہیں جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کا بیس رکعت تراویح پر عمل ثابت ہوتا ہے۔

امام ذہبی، عسقلانی اور ابن قدامہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ۔ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس علی ابی بن کعب فی قیام رمضان فکان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا تاکہ وہ حضرت ابی بن کعب کی اقتداء میں ماہِ رمضان کا قیام الیل کریں۔ حضرت ابی بن کعب بیس رکعت نماز پڑھاتے تھے۔

مسلمانو! ذرا غور کرو! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے سے بالکل قریب ہے۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کو دیکھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں قیام الیل فرمایا۔ آپ جلیل القدر صحابیٔ رسول ہیں اور خلیفہ دوم بھی ہیں۔ آپ لوگوں کو تراویح کی غلط تعداد نہیں بتا سکتے۔ شیطان آپ سے بھاگتا ہے اور باطل آپ سے گھبراتا ہے۔ ضلالت آپ کے قریب بھی نہیں آسکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیں تو یہی سنت ہے۔ آٹھ رکعت کو کافی سمجھنا اور اس پر عمل کرنا دینِ حنیف سے انحراف ہے نفس پرستی ہے۔ مسنون تعداد کو گھٹانا دین میں نئی بات ایجاد کرنا ہے جو کہ سراسر ضلالت اور گمراہی ہے۔

ائمہ اربعہ اور جملہ سلف وصالحین کا اس بات پر اجماع ہے کہ نمازِ تراویح بیس رکعت ہیں۔ حضرت ابو عیسیٰ امام ترمذی

رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ وھکذا ادرکت الناس ببلدنا مکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔ یعنی میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو ہمیشہ بیس رکعت تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اہل مکہ کے عمل کو بطور دلیل وثبوت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش فرمایا ہے۔ اسی قبیل کے اقوال امام ثوری اور امام ابن مبارک سے مروی ہیں۔ بدایۃ المجتھد میں علامہ ابن رشید قرطبی نے چاروں ائمہ اور داوٗدِ ظاہری سے بیس رکعت تراویح کو ثابت بتایا ہے۔

آٹھ رکعت تراویح کی رٹ لگانے والے اور اس غلط قول کا ڈٹ کر پرچار کرنے والے جس عالم کی قابلیت کے دلدادہ ہیں اور جنہیں شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں وہ ہیں علامہ ابن تیمہ۔ چلئے! علامہ ابن تیمہ کا موقف معلوم کریں۔

علامہ ابن تیمہ اپنی کتاب مجموع الفتاویٰ میں رقمطراز ہیں۔ "ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس بعشرین رکعۃ فی رمضان و یوتر بثلاث فرآی کثیر من العلماء ان ذلک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرین و الانصار ولم ینکرہ منکر" ثابت ہوگیا کہ حضرت ابی بن کعب نے مہاجر وانصار صحابہ کے درمیان یہ نماز پڑھائی اور کسی نے انکار نہ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بیس رکعت تراویح سنت نہ ہوتی تو ضرور صحابہ اعتراض کرتے۔ کسی غلط چیز پر عمل ہوتے ہوئے دیکھ کر صحابہ ہرگز خاموش نہ رہتے۔ کسی بھی صحابی سے منقول نہیں کہ انہوں نے بیس رکعت کی تعداد کے خلاف کہا۔ صحابہ کا یہ اتفاق ثابت کر رہا ہے کہ نمازِ تراویح کی مسنون تعداد بیس رکعت ہے۔

مولائے قدیر سے دعا ہے کہ وہ جملہ مسلمانوں کو آٹھ رکعت کی بدعت سئیہ سے دور رکھے اور بیس رکعت تراویح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وما علینا الا البلاغ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اور آپ کے کارنامے

از: حافظ محمد ابراہیم لطفی وجمالی
مہتمم فیضانِ لطیفیہ، گنتکل

ہندوستانی سرزمین اس اعتبار سے صد افتخار اور قابل مبارک ہے کہ اس کے وجود کو کئی اکابرین بزرگان دین نے اپنے قدوم میمنیت سے فیض بخشا ہے جب جب کسی بزرگ نے یہاں قدم رنجہ فرمایا تو انکی محنتوں وکاوشوں سے یہاں کفرو شرک کی گندگی وآلودگی دور ہوتی چلی گئی، اور ایمانی واسلامی روشنی ہر سو عام ہوتی رہی، انہیں اکابرین بزرگان دین کی فہرست میں سے ایک بابرکت ومقدس ذات ستودہ صفات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی بھی ہے جن کے ورد مسعود کے بعد ہندوستانی سرزمین توحید کی صداؤں سے گونجتی رہی اور ہر طرف قال اللہ، وقال الرسول کے نظارے نظر آتے رہے، جیسا کہ آپ کی سوانح حیات کے مطالعہ سے ہمیں اس بات کا باآسانی پتہ چلتا ہے۔

آپکی آمد سے پہلے آپکی آمد کے تذکرے

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ابھی عالم گیتی میں جلوہ گر نہیں ہوئے ہیں کہ آپ کی والدہ محترمہ بی بی حنبل صاحبہ بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ میرے شکم میں تشریف لائے تو نصف شب کے بعد سے صبح سویرے تک بلند آواز سے اللہ اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ یہ تسبیحات وتکبیرات کا سلسلہ وقت ولادت تک جاری وساری رہا۔

آپ کے والدین کریمین کی سیرت

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت سید کمال الدین احمد موسی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بڑے پائے کے بزرگ تھے آپ کی زاہدانہ زندگی کا عالم یہ تھا کہ، عبادت وریاضت، قرآں مجید کی تلاوت اور وظائف آپ کے محبوب مشاغل میں نہ صرف شامل تھے بلکہ آپ کے مصروفیات یومیہ میں داخل تھے جسکی وجہ سے آپ اس دور کے علماء وفضلاء کے درمیان شیخ وقت کے نام سے جانے وپہچانے جاتے تھے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ بی بی حنبل صاحبہا کی اوصاف حمیدہ کا عالم یہ تھا کہ آپ صوم وصلوٰۃ کی پابند ذکرواذکار اور وظائف کی مواظبت ومداومت کے ساتھ ادائیگی اور تلاوت قرآن مجید کے شوق وذوق کا غلبہ اس قدر غالب تھا کہ آپ صبح سویرے جب تک پندرہ پارے تلاوت نہیں کرتی تھی اس وقت تک امور خانہ داری کی طرف نہیں جاتی تھی۔ مصنف وقائع شاہ معین الدین چشتی ص۱۲ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی جارہی ہے کہ جس سے مذکورہ واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو جب مکتب میں حصول تعلیم کے لئے بٹھایا گیا تو استاذِ محترم نے آپ کو پڑھنے کے لئے کہا تو آپ پندرہ پارے زبانی پڑھ کر سنا دئے۔ استاذِ محترم حیران ہوکر پوچھنے لگے کہ عزیزم یہ پندرہ پارے آپ کو کیسے حفظ ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا میری والدۂ ماجدہ پندرہ پاروں کی حافظہ ہیں اور وہ روزانہ پندرہ پاروں کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔ شکم مادر میں میں اسے سن کر یاد کرلیا تھا (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی حیات پر ایک نظر۔ از علامہ ارشد القادری)

ولادت با سعادت

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت با سعادت عراق کے موضع اوش شہر میں آدھی رات گئے عمل میں آئی جب آپ کی ولادت ہوئی تو تمام گھر نور سے معمور ہوگیا اور یہ روشنی اس درجہ عام ہوگئی کہ آپ کی والدہ نے سمجھا کہ سورج طلوع ہوگیا ہے اور ادھر بچہ سجدہ ریز ہے اور اس کی زبان سے اللہ اللہ کی تسبیح جاری ہے۔ بچے کی ولادت کا یہ منظر دیکھ کر والدہ ماجدہ حیران ہوگئی پھر بچہ سجدے سے سر اٹھایا اور گھر کی روشنی آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی گئی۔ ان حالات و واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ مادرزاد ولی تھے (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی از شبیر حسین چشتی نظامی)

آپ کا سلسلۂ نسب

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ حسب ونسب کئی واسطوں سے جاکر سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ پروفیسر غلام یحیٰ انجم صاحب نے اپنی کتاب جان نشین غریب نواز میں آپ کا نسب نامہ اس طرح تحریر فرمایا کہ " خواجہ قطب الدین بختیار اوشی ابن سید موسیٰ ابن سید احمد اوشی، ابن سید کمال

الدین، ابن سید محمد، ابن سید احمد، ابن سید اسحاق حسن، ابن سید معروف سید احمد چشتی، ابن سید رضی الدین، ابن سید حسام الدین، ابن سید رشید الدین، ابن سید جعفر، ابن امیر المومین امام محمد نقی الجود، ابن امیر المومنین امام علی موسیٰ رضا، ابن امام المسلمین حضرت امام موسیٰ کاظم، ابن امیر المومنین حضرت امام جعفر صادق، ابن امیر المومنین حضرت امام محمد باقر، ابن امیر المومنین حضرت امام زین العابدین، ابن امیر المومنین سید الشہداء حضرت امام حسین، ابن امیر المومنین حضرت علی شیر خدا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (از سیر الاقطاب ص ۱۴۲ و مہر الاقلاب)

تسمیہ خوانی

بزرگانِ دین واکابرین کے خانوادوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب کبھی ان کے گھروں میں کوئی نومولود جنم لیتا ہے تو یہ حضرات سنت کے مطابق اس کا نام رکھ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ اس دنیائے فانی میں تشریف لائے تو آپ کے والد ماجد نے آپ کا قطب الدین نام رکھا اور آپ کے پیر و مرشد نے آپ کو بختیار کا خطاب عطا فرمایا لیکن بعض مورخین نے اس کے برعکس آپ کا نام بختیار اور خطاب قطب الدین لکھا ہے اور کا کی آپ کا یہ وہ لقب ہے جس سے دنیائے عالم میں آپ کل بھی معروف تھے اور آج بھی معروف ہیں۔

کاکی کی وجہ تسمیہ

اخبار الاخیار کتاب کے حوالے سے یہ روایت نقل کی جارہی ہے کہ چنگیز خان اپنے دورِ اقتدار میں ایک کے بعد دیگرے جب ایرانی شہروں کو تاخت وتاراش کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اسی ناگہانی بلا ومصیبت کے دوران چنگیز خان کے سپاہیوں نے اور لوگوں کے ساتھ آپ کو اور حضرت شیخ صوفی بدھنیؒ دونوں کو بھی گرفتار کرلیا۔ جب قیدیوں کو بھوک اور پیاس لگتی تو آپ اپنی بغل سے کاک یعنی روغنی روٹی نکال کر دیتے اور حضرت شیخ صوفی بدھنیؒ اپنی بدھنی سے پانی نکال کر دیتے جس سے سب سیر ہو جاتے آپ کی اسی کرامات کے سبب آپ کا لقب کا کی ہو گیا اور شیخ صوفی بدھنی کا لقب بدھنی ہو گیا۔ (دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد ۱۲، ۲، ص ۲۶۲)

سیر العارفین کے مصنف آپ کے اس لقب کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لانے کے بعد ہمیشہ بے خودی اور استغراقی کیفیت میں رہا کرتے تھے کسی سے تحفہ وتحائف ونذر و نیاز بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ گھر خرچ کے لئے آپ کی زوجہ محترمہ پڑوس کے ایک سبزی فروش عورت سے قرض لے کر گھر

کا کام چلایا کرتی تھی۔ایک روز سبزی فروش کی عورت نے آپ سے طنزاً کہا کہ اگر ہم آپ کو قرض دینا موقوف کردیں گے تو آپ لوگ بھوکے مرجائیں گے۔یہ بات آپ کو بہت ناگوار گزری آپ نے یہ بات حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے گوش گزار کیا تو آپ نے فرمایا آج کے بعد قرض لینے کی کوئی ضرورت نہیں اپنے متعلقین کے کھانے پینے اور دیگر ضرورتوں کا میں انتظام کروں گا۔چنانچہ آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا کہ جب بھی تمہیں کھانے کھلانے کی ضروت ہو میرے ہجرہ میں طاق ہے اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ہاتھ ڈال کر جتنی بیسنی روٹی یعنی میٹھی روٹی کی ضرورت ہو نکال لیا کرو اور کھانے والوں میں تقسیم کردیا کرو۔بیسنی روٹی کو فارسی زبان میں کاک کہا جاتا ہے اسی مناسبت سے آپ کو کاکی کہا جانے لگا۔

ایک روایت میں اس کی وجہ تسمیہ اسطرح آئی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے دریافت کیا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کو کاکی کیوں کہا جاتا ہے۔تو آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اپنے مریدین اور معتقدین کے ساتھ سلطان کے حوض کے کنارے تشریف فرما تھے ماحول بہت ہی پرسکون اور خوشگوار تھا۔آپ کے حواریوں نے کہا کہ اگر اس وقت گرما گرم کاک ہوتا کیا ہی اچھا ہوتا۔اسی وقت آپ حوض میں ہاتھ ڈالے اور گرما گرم کاک نکال کر اپنے حواریوں کو دے دیا۔اسی وجہ سے آپ کو کاکی کہا جاتا ہے۔(جانشین حضرت غریب نوازؒ)

اسی طرح کا سوال حضرت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان بریلی سے بھی کیا گیا کہ حضور کاکی کے معنی کیا ہیں اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔تو آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں چند مسافر حاضر ہوئے اس وقت حضور کے یہاں خوردونوش کے لئے کچھ موجود نہ تھا۔غیب سے کاکی یعنی روٹیاں آئیں جو سب کے لئے کافی و شافی ہوگئیں۔جب سے آپ کاکی کے لقب سے مشہور ہوگئے۔(حیاتِ اعلیحضرت جلد اول ص ۲۱۴)

حضرت مولانا عبدالحئی رائے بریلی ابن بطوطہ کے حوالے سے بیان فرمائی ہے کہ جب بھی کوئی مقروض آپ کے پاس آتا اور اپنے فقروفاقہ کا تذکرہ کرتا یا کوئی ایسا شخص آتا جس کی بن بیاہی لڑکیاں ہوتی ان کے لئے جہیز کا انتظام نہیں ہو پاتا تو آپ انہیں کعکہ دیتے جو سونا اور چاندی کا ہاتا جو ان کی ضرورتوں کو پورا کرتا تھا جس کی وجہ سے آپ کاکی کے نام سے مشہور ہوتے (الاعلام، ج۱ص ۲۰۶)

آپ کا دورِ شیر خواری

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا دورِ شیر خواری بہت ہی کس مپرسی عالم میں گزرا کیونکہ آپ کی عمر شریف صرف ڈیڑھ سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد کا وصال ہوگیا۔ والد ماجد کا سایہ جب سر سے اٹھ گیا تو ساری پرورش و پرداخت کا بوجھ آپ کی والدہ ماجدہ کے ذمہ آن پڑا۔ آپ کی مادر مہربان جو تقویٰ و طہارت کہ ملکہ تھی آپ کی تعلیم و تربیت میں پوری تندہی سے مصروف ہوگئیں۔

آپ کی رسمِ بسم اللہ خوانی

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر شریف جب چار سال چار ماہ چار دن کی ہوئی تو سلف صالحین کے دستور کے مطابق والدہ نے آپ کی بسم اللہ خوانی کی تقریب کا انعقاد کیا۔ سوئے اتفاق کہ اس وقت حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ سیر و سیاحت فرماتے ہوئے اوش تشریف لائے تھے آپ کی والدہ نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے لخت جگر کو آپ خدمتِ بابرکت میں بھیجا اور بسم اللہ خوانی کی رسم کی انجام دہی کے لئے درخواست کی ۔خواجہ صاحب قطب صاحب کی تختی پر لکھنے کا جیسے ہی آغاز کرنا چاہا غیب سے آواز آئی ''اے خواجہ لکھنے میں توقف کرو قاضی حمید الدین ناگوری آرہے ہیں وہ تختی لکھنے کی رسم ادا کریں گے'' اسی اثناء میں قاضی صاحب تشریف لائے انہوں نے تختی سنبھالی اور حضرت قطب الدین سے فرمایا کہ بتاؤ فرزند کیا لکھوں۔ آپ نے پندرھویں پارہ کی یہ آیت سبحان الذی اسریٰ پڑھ کر فرمایا کہ یہ لکھئے۔ قاضی صاحب نے دریافت کیا۔ صاحبزادے یہ آیت تمہیں کس نے یاد کرائی۔ فرمایا میری والدہ پندرہ پارے کی حافظہ ہیں۔ ایامِ حمل میں جب وہ تلاوت کرتی تھیں تو میں سنا کرتا تھا۔ سنتے سنتے یہاں تک کہ میں بھی پندرہ پارے کا حافظ ہوگیا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے چودہ دن یا چار دن میں پورے قرآن مقدس کو ازبر کرلیا۔ (تذکرہ اولیاء ہند ص ۳۶)

مکتب میں داخلہ

ان اکابرین و بزرگانِ دین کی زبان سے رسم بسم اللہ خوانی کی انجام دہی کے چند روز بعد جب آپ پانچ سال کے ہوگئے تو آپ کی والدہ محترمہ نے اپنے ایک خادم کے ساتھ آپ کو تحصیل علم کے لئے مکتب کو روانہ فرمایا۔ راستہ میں انہیں ایک بزرگ ملے اور انہوں نے خادم سے دریافت کیا کہ اس نیک بخت بچے کو کہاں لے جارہے ہو۔ خادم نے جواب دیا

مکتب کو لے جا رہا ہوں۔ بزرگ نے فرمایا کہ اس بچے کو مولانا شیخ ابوحفص کی بارگاہ میں لے جاؤ کیونکہ وہ بہت بڑے عالم اور بزرگ ہیں وہی اس بچے کو تعلیم دیں گے۔ اور خود بھی ساتھ آکر مولانا ابوحفص سے فرمایا کہ اس بچے کو اچھی طرح تعلیم دینا کیونکہ اس سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جو بزرگ مولانا ابوحفص کو خواجہ صاحب کی تعلیم کے لئے ہدایت فرما کر چلے گئے وہ حضرت خواجہ خضر تھے۔ (جوامع الکلم حضرت خواجہ بندہ نوازؒ)

آپ کی تعلیم و تربیت

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی پرورش بچپن ہی سے اپنی والدہ کے زیر تربیت ہوتی رہی والدہ محترمہ کی تربیت نے آپ پر ایسا اثر ڈالا کہ بچپن ہی سے آثارِ بزرگی آپ میں نظر آنے لگے تھے۔ حضرت مولانا ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ نے مزید آپ میں وہ جوہر کھلائے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں علوم ظاہر میں نہ صرف کمال پیدا کیا بلکہ یگانۂ روزگار کا درجہ حاصل کرلیا۔

آپ جب علوم ظاہری سے فارغ ہو چکے تو انہیں تلاشِ حق فکر دامن گیر ہوئی۔ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں حضرت خواجہ قطب الدین تعلیم ظاہری سے فراغت کے بعد جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو وہ تلاشِ حق کے لئے گھر سے باہر نکلے۔

بیعت و ارادت

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا تلاشِ پیر کے لئے سفر شروع ہوا ایک شہر میں پہنچے تھے کہ جہاں آپ کی ملاقات خواجہ خضر سے ہوئی۔ وہاں سے اور آگے بڑھے تو حضرت محمود اصفہانی نام کے بزرگ سے ملاقات ہوگئی جن کے حسن و کردار و بلند اخلاق کو دیکھ کر آپ نے ان سے بیعت کرنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر مشعیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ انہیں ایام میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اصفہان تشریف لائے ہوئے تھے آپ فوراً وہاں پہنچ گئے اور خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت و ارادت میں داخل ہوگئے۔ بیعت و ارادت سے سرفرازی کے بعد آپ اپنے پیر و مرشد کے ایسے معتقد ہوگئے کہ ہمیشہ چاہے وہ سفر ہو کہ حضر اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔

زیارت حرمین شریفین کا سفر

آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک وقت تک اپنے پیر و مرشد سے اکتسابِ فیض فرماتے رہے ۵۸۳ھ بمطابق ۱۱۸۷ء میں

اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مکّہ معظمہ کے لئے عازم سفر ہوئے جہاں پہنچ کر کعبۃ اللہ کے طواف اور اس کی زیارت سے شرفیابی حاصل کی اور بارگاہِ صمدیت میں اپنی عاقبت و عافیت کے لئے دعا کی ۔یہاں سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے جہاں مسجدِ نبوی میں شرفِ عبادت و ریاضت سے مشرف ہونے کے بعد روضہ رسول ﷺ پر حاضری دی پیر و مرشد کی صحبت اور ان کی نظر توجہ سے دونوں مقامات پر بے پایا الطاف وعنایات سے سرفرازی حاصل ہوئی۔ یہاں آنے کے بعد یہاں سے کون جانا چاہے گا۔یہی کیفیت ان دونوں اکابرین پر بھی طاری تھی۔ بقول حضرت محدث اعظم ہند کے۔

مدینے کا کچھ کام کرنا ہے سید مدینہ سے بس اسلئے جا رہا ہوں

اس کے مصداق یہ دونوں بزرگانِ دین ۵۸۰ھ بمطابق ۱۱۸۹ء مختلف مقامات کا سفر فرماتے ہوئے بغداد شریف تشریف لائے اور یہاں سے اکتسابِ فیض کے لئے چند دن یہاں قیام فرمایا۔

خلافت کی نعمت سے سرفرازی

مقاماتِ مقدسہ کی زیارت اور اسکے فیوضات و برکات سے مستفید ہونے کے بعد اپنے آپ پیر و مرشد کے ہمراہ بغداد تشریف لائے حکم خداوندی و فرمانِ رسالت پناہی کے بموجب حضرت خواجہ غریب نوازؒ حضرت خواجہ ابو اللیث سمرقندی کی مسجد میں اپنے مریدِ سعید حضرت قطب الدین کو خرقہ درویشی اور بیعت و خلافت کی نعمت سے سرفراز فرمایا اس وقت اس مجلس میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی حضرت شیخ داؤد کرمانی، شیخ برہان الدین محمد چشتی جیسے اکابر اولیاء موجود تھے، آپ کو بیعت و خلافت کے عطا کئے جانے کے تعلق سے میر عبدالواحد بلگرامی ''سبع سنابل'' میں فرماتے ہیں کہ۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے سرورِ عالم ﷺ کو چالیس روز متواتر خواب میں دیکھا جبکہ آپ کے ہمراہ دیگر مشائخ کے ارواح بھی موجود تھے۔اور آپ ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے معین الدین بختیار کاکی خدا کے محبوب ہیں انہیں خلافت دو اور خرقۂ گلیم پہناؤ۔ چنانچہ خواجہ قطب الدین ابھی نوجوان تھے اور ڈاڑھی بھی خوب نمایاں نہ ہوئی تھی کہ خواجہ معین الدین نے آپ کو خرقہ پہنایا اور آپ کو اپنا خلیفہ بنایا (سبع سنابل، ص ۴۴۲)

سیر و سیاحت

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو جب اپنے پیر و مرشد سے فیض ظاہری و باطنی حاصل ہوا تو

آپ کی خواہش رہی کہ فیضانِ پیرومرشد کو عام کیا جائے۔ چنانچہ اسی آرزو وتمنا میں آپ مختلف شہروں کا سفر کرتے ہوئے جب اپنے شہر پہنچے اور وہاں والدہ کی خدمت بابرکت میں سعادت دارین حاصل کرتے رہے۔ جب آگے سفر جاری رکھنے کا خیال ظاہر فرمایا تو والدہ محترمہ نے مزید کچھ اور دن آپ کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنے کے خیال سے اپنے ہی وطن میں اپنے انتظام والنصرام سے نکاح کر دیا۔

نکاح و اولاد

نکاح سنتِ انبیاء بھی ہے اور نسل انسانی کی افزائش کا ذریعہ بھی ہے نکاح یہ دو دلوں کے چین وسکون کا واسطہ بھی ہے اور مرد و زن کی راحت ومودت کا ذریعہ بھی ہے لیکن انسان جب اس منزل میں قدم رکھتا ہے تو اسے بہت ساری کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، ایسی ہی دشوارگزار منازل سے آپ کو بھی سامنا کرنا پڑا۔

جس وقت آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کا عقد سعیدہ بی بی حنبلؒ سے کر دیا بتقضائے بشریت نئی دلہن کی صحبت و رفاقت میں مشغول ہو گئے جس کے سبب آپ کے معمولات میں کچھ فرق آگیا۔ جس کو سیر الاولیاء کے مصنف فرماتے ہیں کہ حضرت قطب الدین رات سوتے وقت ۳ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے تھے وہ درود شریف یہ تھی اللھم صلی علی محمد عبدک و نبیک و حبیبک و رسولک النبی الامی و الہ وسلم نکاح ہونے کے بعد تین شب درود شریف پڑھنا قضاء ہو گیا۔ اس دور کے ایک بزرگ جو آپ کے مریدین میں شامل تھے جنہیں رئیس احمد کے نام سے جانا جاتا تھا جن کے خواب میں سرور دو عالم ﷺ تشریف لا کر فرمایا ، رئیس احمد تم بختیار کاکی کو میرا اسلام کہنا، اور میری طرف سے یہ کہنا کہ تمہاری طرف سے ہر روز جو درود کا تحفہ آیا کرتا تھا وہ تین روز سے نہیں آیا۔ رئیس احمد کے ذریعہ جب سرور عالم ﷺ کا یہ پیغام حضرت بختیار کاکیؒ کو پہنچا تو قطب صاحب نے فرمایا بے شک میں تین رات سے اپنی بیوی کے چونچلوں میں لگا ہوا تھا اسی وجہ سے تین روز سے درود شریف کا تحفہ بھیجنا ناغہ ہو گیا۔ حضرت قطب صاحب اسی وقت بلا کر مہر ادا کر کے طلاق دے دی اور بدستور اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے حضرت بختیار کاکیؒ کی ازدواجی زندگی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں ہر ایک کے قدم میں لغزش پیدا ہو جاتی ہے وہاں بختیار کاکیؒ کے پائیہ استقامت میں قوام واثبات دیکھا جا رہا ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں دو شادیاں کیں ایک اپنی والدہ ماجدہ کی

مرضی اور انکی خوشی کے لئے آپ نے دوسری شادی اپنی آخیر عمر میں قیام دہلی کے دوران بقائے نسل وتبلیغ رشد وہدایت کے منصوبے کے انجام دہی کے لئے کی تھی۔ اسی دوسری بیوی کے بطن سے آپ کو دو جڑواں لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام محمد تھا اور دوسرے کا نام احمد یا محمود تھا پہلے صاحبزادے محمد کمسنی کی عمر ہی میں انتقال کر گئے مگر دوسرے صاحبزادے حضرت احمد بہت نیک ومتقی اور بڑے پہنچے ہوئے بزرگ تھے یہ حضرت بڑی طویل عمر پائے تھے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے زمانہ تک بقید حیات رہے اور آپ کی وفات سن ٦٣٥ھ میں رضیہ سلطانہ دختر سلطان شمس الدین التمش کے دور حکومت میں ہوئی۔

دھلی میں حضرت بختیار کاکیؒ کا مستقل قیام

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت خلق کے جذبہ کے پیش نظر بہت سارے دیار و امصار کا سفر کرتے ہوئے ایک دو مرتبہ اپنے مولد ومنشاء اوش میں اپنی والدہ محترمہ کی خدمت بابرکت میں بھی حاضری کی سعادت حاصل کی اور وہ جہاں سے عازم سفر ہوتے ہوئے ملتان پہنچے جہاں کی فضا مکدر ہوگئی تھی اور ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ یہاں سے نقل مکان کرتے ہوئے ہانسی پہنچے اور یہاں سے سفر کرتے ہوئے دہلی آ گئے۔ ٦١٢ھ بمطابق ١٢١٤ء میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کی دہلی میں مستقل قیام کے ارادے سے کیولکری میں قیام فرمایا اور سلطان شمس الدین التمش کی درخواست پر مہرولی منتقل ہو گئے لیکن کچھ دنوں کے بعد قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے آپ کو اپنے مکان پر لے آئے کچھ عرصہ بعد وہاں سے مسجد اعزاز الدین کے قریب اپنی قیام گاہ منتقل فرمادی یہیں سے رشد وہدایت کی تعلیمات کا سلسلہ آپ نے جاری وساری فرمانا شروع کر دیا اور اپنی آخری عمر تک آپ یہیں رہے۔

معمولاتِ یومیہ

سلسلۃ الذھب میں شیخ نور بخش صاحب کے حوالہ سے یہ بات کہی جارہی ہے کہ یہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ وہ عبادت وذکر الٰہی لوگوں کی نظروں سے ہمیشہ چھپ کر کیا کرتے تھے حتی الامکان وہ لوگوں سے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

مراۃ الاسرار کے مصنف بیان فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ پنجوقتہ نماز

کے علاوہ دن ورات میں تقریباً تین سو رکعات نفل پڑھا کرتے تھے اور ذکر الٰہی و تلاوت قرآن مجید کا اس قدر شوق و ذوق تھا کہ دن میں ایک قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے اور رات کو سونے سے پہلے تین ہزار مرتبہ یہ درود شریف اللھم صل علی محمد عبدک و نبیک و حبیبک و رسولک النبی الامی و الہ وسلم۔ پڑھتے اور بارگاہِ رسول ﷺ میں اس کا ثواب ایصال فرمایا کرتے تھے۔ ابتداء میں آپ رات کچھ دیر آرام بھی فرمایا کرتے تھے لیکن امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ آخر عمر میں رات کا آرام بالکل چھوڑ دیا تھا، رات بھر نماز و ذکر الٰہی ،تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتے تھے، مراقبہ و مکاشفہ میں اپنا تمام وقت گزار دیتے تھے۔

اخلاق و عادات

بزرگوں کی اجازت میں خیر و برکت ہوا کرتی ہے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بعینہ اسی قول کے مطابق تھی سلطان ناصر الدین قباچہ والی ملتان آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا حضور ملتان میں قیام فرمائیں تو عین نوازش ہوگی آپ کا یہ قیام ہمارے لئے خوش نصیبی کا باعث ہوگا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں بلا اجازت پیر و مرشد کہیں بھی کسی بھی مقام پر قیام نہیں کرسکتا چنانچہ آپ ملتان کا قیام ترک فرماتے ہوئے عازم دہلی ہوئے اور یہیں مستقل طور پر مقیم ہو گئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ وہ اعلیٰ اخلاقی نمونہ ہے جسکی مثال مشکل نہ سہی نادر ضرور ہے ملتان کی سرزمین ویسے تو اولیاء، اتقیاء، صوفیاء، کا ہمیشہ مرکز رہی ہے مگر جب آپ سرزمین ملتان وارد ہوئے تمام اہل ملتان پروانوں کی طرح نثار ہونے کے لئے آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہونے لگے اور نور ہدایت کے حصول کی کوشش میں بے خود ہونے لگے جس میں بہت سارے لوگ آپ کے نور باطن سے مستفید ہونے کے لئے آپ کے دست فیض رساں پر بیعت کرنے کی درخواست کرنے لگے، مگر قربان جائیں ایسے نفوس قدسیہ کی ذات پر کہ کوئی اور اس مقام پر ہوتا تو سبھی درخواست گزاروں کو حلقہ ارادت میں شامل کر لیتا اور اپنے سلسلہ مریدین کو وسعت دیتا چلا جاتا لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان عقیدت مندوں سے فرمایا کہ یہ علاقہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے مجھے آپ کے علاقہ میں کسی شخص کو بیعت کرنا زیبا نہیں دیتا آپ کے ادنیٰ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھا (حضرت خواجہ قطب الدین۔ از شبیر حسن چشتی نظامی)

توکل و استغنا

قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکت کو توکل واستغنا کی کیفیت کے تعلق سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ خدائے ذوالجلال کی ذات پر اعتماد وبھروسہ اس قدر غالب تھا کہ آپ ہر معاملہ میں چاہے وہ دنیوی ہو یا اخروی اسی کی طرف رجوع ہوتے آپ کے گھریلو حالات کے تعلق سے کتب تواریخ میں بہت ساری روایات آئی ہیں کہ کئی کئی دنوں تک آپ کے گھر میں چولھا نہیں سلگتا تھا فقر وفاقہ میں ایسی زندگی بسر ہوتی رہی مگر اسکی کسی کو خبر نہیں ہوتی تھی جبکہ آپ کے مریدین ومتوسلین کی قرب وجوار میں کافی تعداد موجود تھی اسکے باوجود کوئی اس خبر سے باخبر نہیں ہوتا تھا۔

سیر الاقطاب ومسالک السالکین کے حوالہ سے یہ واقعہ یہاں نقل کیا جارہا ہے کہ حضرت بختیار کا کی زہد وتقویٰ میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے فقر وفاقہ میں یگانہ وقت تھے آپ کے فقر وفاقہ کا راز کسی پر منکشف ہوجاتا تو آپ کو اسکا سخت ملال ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کے گھر میں تین روز سے فاقہ تھا آپ کے صاحبزادے نے یہ بات بوجہ کمسنی کے کسی دوست سے کہہ دی اس نے اپنے والد سے جاکر بیان کیا چنانچہ انہوں نے فوراً کھانا پکوایا اور کھانے کا خوان آپ کی خدمت میں پیش کر کے معذرت کرنے لگا اور کہا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ کے گھر میں فقر وفاقہ ہے یہ بات سن کر آپ نے فرمایا تم سے کس گردن ٹوٹے نے میرا فقر وفاقہ ظاہر کیا آپ کی زبان سے جوں ہی الفاظ نکلے آپ کے صاحبزادے جو کھیل رہے تھے کھیلتے کھیلتے گر پڑے اور ان کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ وہیں مر گئے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے مریدین ومعتقدین کو رشد وہدایت کی تعلیم فرماتے ہوئے بیٹھے تھے کہ اسی وقت اختیار الدین حاکم پرگنہ حاضر ہوکر سلام وقدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے بعد کچھ نقد رقم بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں پیش کیا اسی وقت آپ نے فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی یہ رسم نہیں رہی ہے کہ کسی سے کچھ لیں، چیز اسے دینی چاہئے جو اس کا ضرورت مند ہو اور اس کا طالب ہو یہ فرماتے ہوئے آپ اپنا بوریا اٹھایا جس پر آپ بیٹھے تھے اختیار الدین نے دیکھا کہ جس کے نیچے سے زر وجواہر کے خزانے بہہ رہے ہیں، آپ نے فرمایا جس کے پاس قدرت کے خزانے اس قدر ہوں وہ تمہارے مال کی طرف نظر اٹھا کر کیوں دیکھے گا جاؤ اسے واپس لے جاؤ اور شمس الدین سے کہہ دینا کہ آئندہ ایسی غلطی نہ کرے ورنہ نقصان اٹھائے گا۔

امراء وسلاطین جو آپ کے مریدین ومتوسلین میں تھے وہ ہر وقت یہ چاہتے تھے کہ آپ کی خدمت میں تحفے تحائف

پیش کریں جس سے آپ کی زندگی خوشحال ہو جائے مگر آپ نے کبھی ان کے تحائف و نذرانوں کو قبول نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ شکریہ کے ساتھ واپس فرمایا جیسے کے صاحب مسالک السالکین کے مصنف لکھتے ہیں کہ، ایک مرتبہ سلطان شمس الدین التمش کا وزیر چھ گاؤں کا فرمان ایک کشتی اشرفیوں سے بھری آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا عرض کیا کہ سلطان نے خدام آستانہ کے لئے یہ نذرانہ بھیجا ہے، اس حقیر نذرانہ کو قبول فرما کر عزت افزائی فرمائیں آپ نے جواب دیا کہ جو کام ہمارے مرشدین و مشائخین نے نہیں کیا تو میں کیسے کروں لہذا تم اسے لے جاؤ انہیں شکریہ کے ساتھ واپس کرو آپ نے اس نذرانہ کو واپس کر دیا۔

کشف و کرامات

انسان اپنے مکان کے بالائی حصہ پر اگر پانی بھیجنا چاہتا ہے تو مشین کی طاقت کے ذریعہ اسکو بھیجتا ہے یہ ایک معمولی انسانی عمل کے لئے طاقت کے استعمال کی ضرورت پیش آتی ہے تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ اللہ رب العزت جب اپنے محبوب بندوں کو قوم وملت کی رشد و ہدایت کے لئے بھیجا ہے تو بغیر طاقت وقوت کے کیسے بھیجے گا چنانچہ رب قدیر انبیاء و رسل کو بھیجا تو معجزات کے ذریعہ بھیجا اور اولیاء اللہ واصفیاء کو بھیجا تو کرامات کی طاقت دیکر بھیجا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ بابرکت سے بھی بہت سی کرامات کا ظہور وصدور ہوا ہے جسکو مفتی شبیر حسن نظامی نے اپنے کتاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ میں ان چند کرامتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ایک شخص آپ سے عرض کیا کہ میں غریب نادار ہوں کچھ میری امداد فرمایئے حضرت نے فرمایا اگر میں تجھ سے کہوں کہ مجھے عرش اعظم نظر آتا ہے تو کیا تو اس بات کو باور کریگا۔ اس آدمی نے جواب دیا بیشک آپ نے فرمایا تیرے گھر میں ۸۰ روپے رکھے ہیں پہلے انہیں خرچ کر دے اسکے بعد ناداری کی شکایت کرنا۔ سنکر وہ آدمی بہت شرمندہ ہوا چپ چاپ واپس چلا گیا۔

عید الاضحیٰ کے دن آپ کی مجلس میں حج وزیارت کا ذکر ہو رہا تھا آپ نے فرمایا کہ اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جن کی زیارت کے لئے خانہ کعبہ خود انکے گھر آتا ہے ابھی آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ پورے نہ ہوئے تھے کہ کعبہ سامنے نظر آیا سب حاضرین نے طواف وزیارت کی۔ ایک روز ناصری شاعر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کا طالب ہوا، آپ نے فرمایا کہ تمہیں بہت سا انعام ملے گا۔ اگلے دن وہ شاعر ایک قصیدہ لکھ کر سلطان شمس الدین کے دربار میں حاضر ہوا، اور قصیدہ پیش کیا بادشاہ کو بہت پسند آیا۔ اس قصیدہ میں ناصری نے ۵۶ اشعار لکھے تھے سلطان نے ۵۶ ہزار

روپے نقد عطا فرمایا شاعر وہ روپے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور روپے آپ کے سامنے رکھ دیا اور عرض گزار ہوا کہ حضرت اس میں کچھ قبول فرمالیجئے آپ نے فرمایا نہیں انہیں لے جاؤ کیونکہ یہ تمہارے بچوں کا حق ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ہر جمعرات کو زیارت کے لئے مزار اقدس پر تشریف لے جایا کرتے تھے ایک روز راستہ میں آپ کے دل میں خیال آیا نہ معلوم حضرت قطب الاقطاب کو میری حاضری کی اطلاع ہوتی ہے یا نہیں جب حضرت محبوب الٰہی درگاہ شریف میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت قبر مبارک پر تشریف فرما ہیں اور ارشاد فرما رہے ہیں۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن　　　من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

سلطان الشعراء حضرت امیر خسرو نے افضل الفوائد میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک فاسق و فاجر آدمی کا انتقال ہوا جس کے بعد حضرت قطب الاقطاب کے پائینتی وہ مدفون ہوا لوگوں نے خواب میں اسے بہشت میں سیر کرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ تو نے کونسا ایسا عمل کیا تھا جس کے بدلے تجھے جنت نصیب ہوئی اس آدمی نے جواب دیا کہ جب عذاب کے فرشتے میری قبر میں آئے تو آپ کی روح مبارک کو تکلیف محسوس ہوئی حق تعالیٰ نے میرے گناہ معاف فرمادئے اور اپنی رحمت سے مجھے بخش دیا۔

آپ کا وصال

لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے　　　اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

کل نفس ذائقة الموت　　　ہر انسان کو موت کا مزہ چکھنا ہے

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اس دنیا میں آنے کے بعد یہاں سے جانا بھی ضروری ہوتا ہے حضرت بختیار کاکی بھی اس دنیا میں جلوہ گر ہو چکے تھے آپ کو بھی اس قانون کی پابندی کرنی ضروری تھی چنانچہ آپ بھی ایک وقت مقررہ تک قوم وملت کی خدمت کرتے رہے رشد و ہدایت کی تعلیمات سے انہیں آراستہ فرماتے رہے ۴ ربیع الاول ۶۳۴ھ میں آپ کا وصال ہوا ایک دوسری روایت کے مطابق ۶۳۵ھ میں سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں آپکا وصال ہوا۔

وصال کے وقت آپ کی عمر شریف کیا تھی اس میں بہت سا اختلاف ہے کسی نے پچاس (۵۰) برس بتایا کسی نے باون (۵۲) سال لکھا اور کسی نے (۷۴) سال تحریر کیا ہے اور کسی نے (۳۰) سے بھی کم لکھا ہے غرض آپ کا اپنے محبوب حقیقی سے ملنے کا وقت آپہنچا تو آپ اپنے محبوب حقیقی سے جاملے۔ انا لله و انا اليه راجعون۔

آپ کے وصال کی کیفیت

اکثر مورخین نے اس واقعہ کو تواتر کے ساتھ دہرایا ہے کہ ایک مرتبہ سماع خوانی کی مجلس محفل سجی ہوئی تھی اکثر اکابرین و بزرگانِ دین قوال کی غزلیات و منقبتی کلام سے محظوظ ہو رہے تھے کہ قوال جب اس شعر پر پہنچا۔

کشتگانِ خنجر تسلیم رازِ ہر زماں ازغیب جانِ دیگر است

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو وجد آ گیا بیخودی کی کیفیت آپ پر طاری ہوگئی قوال اس شعر کو دہراتا رہا تین دن تک یہی کیفیت آپ پر طاری رہی اسی حالت میں آپ اس شعر کو دہراتے ہوئے راہی ملک بقا ہو گئے۔

آپ کے ملفوظات

حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ وہ ارشادات ہیں جو انہوں نے اپنے مریدین و معتقدین کو نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ درویش کے معنی ہی یہی ہے کہ بندگانِ خدا کی پردہ پوشی کی جائے، درویش کو ان چار باتوں کی پابندی لازمی ہے۔

۱) اپنی آنکھوں کو اندھا کر لے تا کہ کسی کے عیب دکھائی نہ دے۔

۲) اپنے کانوں کو بہرا کر لے تا کہ جو بات غلط ہو نہ سن سکے۔

۳) زبان کو گنگ کر لے تا کہ ناگفتنی بات زبان سے نہ نکلے

۴) پاؤں کو لنگڑا بنا لے تا کہ جو جگہ جانے کی نہ ہو وہاں نہ جا سکے

حضوری قلب : دل کی حضوری انسان کو اس وقت میسر آتی ہے جبکہ حرام لقمہ اور دنیا داروں کی صحبت سے وہ پرہیز کرے۔

دنیا والوں کی صحبت : دنیا والوں کی صحبت فقیر کے دل کو پریشان کر دیتی ہے۔

اللہ کا ذکر : جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو دوست بنانا چاہتا ہے تو ذکر کا دروازہ اس پر کھول دیتا ہے۔

ایمان کی نشانی : اللہ کا ذکر ہمیشہ زبان پر جاری رہنا ایمان کی نشانی ہے۔

محبت کا معیار : جو محبت کا دعویٰ کر کے مصیبت و تکلیف کے وقت فریاد کرے وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

حجابِ اکبر : دنیا حجاب اکبر ہے دنیا میں مشغول اور ملوث رہتے ہوئے خدا تک رسائی دشوار ہے۔

وما علینا الا البلاغ

سوچ سوچ میں فرق

مولوی ابوالنعیم سید شاہ محمد کمال اللہ ظہوری لطفی چشتی القادری
المعروف صاحب پیر، یم اے
ڈسٹرکٹ گورنمنٹ قاضی، چتور وسجادہ نشین آستانہ عارفیہ، چتور (اے پی)

الانسان یقس علیٰ نفسہ کے مصداق اللہ نے اس دنیائے فانی میں ان گنت انسانوں کو پیدا فرمایا ہے، جس میں نیک انسان بھی ہیں اور بد انسان بھی ہیں۔ لیکن کامیاب وکامران وہی انسان ہیں جو اپنی دنیاوی زندگی کو اخروی زندگی پر ترجیح دے، بلکہ اخروی زندگی کو ہی دائمی وابدی زندگی یقینی شمار کرے یہ تو بس چندروزہ زندگی ہے۔
ہر انسان کی سوچ بھی الگ الگ ہوتی ہے لیکن صحیح ونیک سوچ وہی ہے جو احکام اسلام کے تابع ہو، خدا اور رسولِ محترم ﷺ کی مرضی کے مطابق جو سوچ ہوگی اسی میں ہمیشگی کی کامیابی ہے۔ بقولِ شاعر

اگر بہ او نرسیدی کام بولہبیت

سردارِ انبیاء نورِ مجسم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ جو خود کھاتے ہو وہی دوسروں کو کھلاؤ، جو خود پہنتے ہو دوسروں کو بھی وہی پہناؤ، کیا ہمارا اس پر عمل ہے؟۔ ہر گز ہر گز نہیں الا ماشاء اللہ سوائے سوائے چند نیک افراد کے جنہیں آخرت کا ڈر اور خوف غالب رہتا ہے یقیناً فرمانِ رسول ﷺ ان کے پیش نظر ہوتا ہے، وہ ضرور اس پر عمل کرتے ہیں۔
اس کے برعکس وہ حضرات کا رویہ ہی خلاف اصول اسلام ہوتا ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ جب آتا ہے مالدار حضرات زکوۃ میں غرباء کو کپڑے اور ساڑیاں جو خریدتے ہیں، اتنے کم قیمت کے ہوتے ہیں کہ الامان، الحفیظ! ، جب خود اپنے اہل و عیال کے لئے خرید کرتے ہیں تو بہتر سے بہتر، قیمتی سے قیمتی ہوتے ہیں، دیکھئے دوسروں کو دینے کے لئے کیا سوچ ہے، اور خود کے لئے کیا سوچ ہے۔ یہی معاملہ ے کا بھی ہے کہ غریب مفلس کو اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلانا وارہ نہیں کرتے، بھیک دیتے ہیں تو بھی رات کا بچا کچا ہوتا
کیا یہ ہماری اسلامی سوچ ہے؟ خود غور وفکر کریں دوسروں سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں خود اپنا دل مفتی ہے اس سے فتویٰ حاصل کریں۔ جمعہ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے۔ اس دن غسل کرنا سنت نبوی ﷺ ہے۔ مسلمان جب

غسل کرتا ہے تو سوچے کہ آج میں اپنے ہاتھ سے اپنے بدن کے میل کچیل کو دور کرتا ہوں وخود سے پانی ڈال لیتا ہوں اور غسل سے پاک وصاف ہو جاتا ہوں اور اپنی خواہش کے مطابق بحکم شریعت نفیس و پاکیزہ کپڑے زیب تن کر لیتا ہوں۔

ایک ایسا وقت بھی ہر ایک پر آنے والا ہے جس سے کسی کو چھوٹ نہیں ہے کہ جب اس خاکی بدن سے روح پرواز ہو جائے گی تو سوچئے کہ نہ خود سے غسل کر سکتا ہے نہ من پسند کپڑے پہن سکتا ہے۔ بلکہ غسال غسل دے گا اس کی مرضی چلے گی خود کی مرضی نہیں چلے گی، غسال جیسے الٹ پلٹ کرے گا خاموش پلٹنا ہوگا، ایسے ہی کپڑے نہیں پہن سکتا بلکہ کفن پہنایا جائے گا، کیا ہی یہ عبرت خیز منظر ہے۔ کبھی اس طرح کی سوچ بھی سوچتا ہے۔ اسی طرح اپنی شادی میں دولہا بنتا ہے تو اس وقت سوچے کہ ایک گھڑی ایسی بھی آنے والی ہے کہ مجھے آخرت کا دولہا بنایا جائے گا کفن پہنا کے سرمہ لگا کے معطر کیا جائے گا۔

جب شادی کا ذکر آ گیا تو اس پر بھی غور کریں کہ جوڑے نذرانے کے روپئے دولھن والوں سے لینا قطعاً حرام و ناجائز ہے۔ اسلام میں کہیں اس کی نظیر نہیں ہے۔ نہ جان کر اگر روپئے لے لئے ہوں تو انہیں چاہئے کہ حسب سہولت لوٹا دیا جائے۔ اس طرح کون سوچتا ہے کہ آیا یہ روپئے ہمارے لئے حلال و جائز ہیں کہ نہیں۔

ایسے ہی سامان جہیز میں دختر رسول کاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تعلق سے جہیز لینے دینے کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اس جہیز میں کیا کیا چیزیں دی گئیں اس کے لئے اسلامی کتب کا مطالعہ کریں۔ اس وقت کے حالات کو مدنظر رکھ کر سوچیں۔ آج جہیز لین دین کا مرض ناقابل علاج بن کر رہ گیا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ے ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے طرح ہو گیا ہے۔ اور یہ ہمارے معاشرہ کا ناسور بن گیا ہے۔ اسی طرح شادی میں ویڈیو اور فوٹو گرافی نکاح کا ایک لازمی حصہ بن گیا ہے۔ عورتوں کی محفل میں غیر مرد جا کے ویڈیو نکالتا ہے۔ کیا یہ بے شرمی کی بات نہیں ہے؟ کیا اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کشی کی ممانعت فرمائی ہے۔ عورت کو اسلام نے پردہ کا حکم دیا ہے۔ عورت کی آواز بھی عورت ہے۔ شادی بیاہ میں اکثر وبیشتر خواتین اپنے لباس کے ذریعہ جسم کی نمائش کرتے ہیں، انہیں شرم آنی چاہئے اس طرح کی حرکتیں شریعت کے خلاف ہیں۔

ہمارا اسلامی معاشرہ دوسروں کے لئے مثال بنتا دوسرے اس سے عبرت ونصیحت حاصل کرتے ایسا تو ہرگز نہیں الٹا یہ کہ ہمارا معاشرہ کا مذہب طبقہ ذی علم خود کو رہبر و رہنما کہلوانے والے اور غیر مذہب ذی علم تمام کے تمام یکساں نظر آتے ہیں۔ اس طرح ہمارا اصلاحی معاشرہ تباہی و بربادی کی جانب جا رہا ہے۔ یہ سوچ ہی سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ شاد و نادر

ہیں چند نیک افراد اس سے علیحدہ ہوں جو خدا ترس ہیں۔ خدا ہمیں نیک سوچ اور اچھی فہم دے۔

دنیا والوں کی سوچ اور اللہ والوں کی سوچ ذرا ملاحظہ کیجئے۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا جو خدا رسیدہ ولیہ اور نیک پارسا خاتون رہیں آپ کے متعلق ہے کہ جس دن آپ کو کوئی بیماری لاحق نہیں ہوتی تو آپ بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتیں کہ مولا تو نے اس بندی کو کیوں بھول گیا، جب تیری جانب سے کوئی مرض آتا تو میں تجھے زیادہ سے زیادہ یاد کرتی ہوں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کی سوچ کیسی ہے۔ جب کہ اہل دنیا کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ بیماری آگئی تو ہر ایک سے اپنے مرض کا شکوہ و شکایت کرتے ہیں۔ سوچ سوچ میں کیا فرق ہے۔ ایسے ہی ایک شخص آپ کی خدمت میں سر پر پٹی باندھے آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیوں اس طرح سر پر پٹی باندھ لئے ہو؟ اس نے جواب میں کہا سر میں بے حد درد ہے اس لئے پٹی باندھ لیا ہوں۔ اس کا معروضہ سن کر آپ نے فرمایا جو قابل غور ہے کہ جب خدا نے تمہیں تندرستی وصحت عطا کی تھی اس وقت اپنے سر پر کیا شکر کی پٹی باندھے تھے۔ یہ سن کر وہ بہت ہی نادم و شرمسار ہو گیا۔ کیا ہم اس طرح سوچتے ہیں۔

انسان سے جان بوجھ کر یا انجانے میں کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو نیک انسان اپنا محاسبہ کرتا ہے اور گناہ سے تائب ہوتا ہے۔ جب کہ گناہ گار انسان جس کا دل گناہوں کی کثرت سے اتنا گندہ و سیاہ ہو جاتا ہے کہ اس کا احساسِ گناہ ہی مر جاتا ہے۔ ایسے انسان کو کیا ندامت و شرمندگی ہوگی اس کے دل سے خدا کا خوف ہی اٹھ گیا ہے۔ وہ سوچتا ہی نہیں۔ اسی لئے سوچ سوچ میں فرق ہوتا ہے۔

درج ذیل واقعہ سے عبرت ونصیحت حاصل کریں:

ایک مرد صالح جو چوڑیوں کے تاجر تھے اپنی دکان پر بیٹھے چوڑیاں پہنایا کرتے تھے اور فروخت بھی کرتے تھے، ایک جوان اور خوبصورت عورت آئی اس نے چوڑیوں کو پسند کر کے ان سے کہا یہ چوڑیاں میرے ہاتھ میں پہنا دو یہ کہہ کر اپنا ہاتھ انکے سامنے لمبا کی تو انہوں نے چوڑیاں اس کو پہناتے پہناتے نیت بدلی کہ یہ نرم نرم گورے گورے نازک ہاتھ دیکھ کر اس کو ذرا دبانے لگے وہ تو چوڑیاں پہن کر قیمت ادا کر کے چلی گئی، یہ دکان کا واقعہ آیا گیا ہو گیا۔ گھر آنے پر ان کی بیوی نے اپنے شوہر محترم سے عرض کیا کہ اے میرے سرتاج آج ایک عجیب غلیظ حرکت اس گھر کے غلام (جو بچپن سے گھر میں پلا) سے یہ واقع ہوئی کہ اس کو مالکن بول کر ذرا بھی احساس نہیں ہوا اس نے بے ساختہ میرا ہاتھ غلط خیال سے تھاما تو میں نے

جھٹ سے نکال لیا۔ یہ تمام باتیں اپنی زوجہ محترمہ سے سن کر اس مرد صالح کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور خدا کے حضور سچے دل سے توبہ کی اور معافی کے طلبگار رہوئے کہ اے گناہوں کے بخشنے والے میرے گناہ بخش دے۔ میں نے دکان میں جو غیر عورت کے ہاتھ کو دبایا تھا اس کے عوض غلام کے ذریعہ میری نیک بیوی پر حملہ ہوا ہے۔ آئندہ کبھی بھی اس طرح کی حرکت ہرگز نہیں کروں گا۔ کیا ہی نیک اور اچھی سوچ ہے۔ آجکل کوئی اس طرح کی سوچ رکھتا ہے؟ ذرا سوچئے بلکہ ہوگا یہ کہ اس غلام کی خوب پٹائی ہوگی اور گھر سے ہمیشہ کے لئے باہر کردیا جائے گا۔ دنیا والوں میں اور اللہ والوں میں یہی سوچ کا واضح فرق ہے۔

انسان کو جب کوئی سخت مرحلہ درپیش ہوتا ہے تو جان کے لالے پڑ جاتے ہیں ایسے وقت بچنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لیتا ہے یہ سوچ دنیا والوں کی ہوتی ہے۔ لیکن اللہ والوں میں سردار الاولیاء حضور غوث الاعظم دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس واقعہ پر نظر ڈالئے کہ آپ جب علم حاصل کرنے کے لئے ایک قافلہ کے ساتھ رواں دواں ہوئے ہمدان سے گزر کر آگے ایک مقام پر پہنچے کہ اچانک ڈاکوؤں کا حملہ قافلہ والوں پر ہوگیا جو تعداد میں ساٹھ تھے مال لوٹنا شروع کردئے۔ ایک ڈاکو آکر آپ سے پوچھنے لگا تمہارے پاس بھی کچھ ہے تو آپ نے تحمل سے جواب دیا کہ ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں ،اچھا کہاں ہیں، آپ نے کہا بغل کے نیچے سلے ہوئے ہیں۔ اس نے مذاق سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد دوسرا ڈاکو آیا اس نے بھی وہی پوچھا تو آپ نے اس کو صاف صاف طور سے بغیر ڈر خوف کے وہی جواب دے دیا وہ بھی لوٹ گیا۔ ڈاکوؤں کے سردار کے سامنے مال کی تقسیم کرتے ہوئے آپ کا ذکر آیا کہ اس قافلہ میں ایک کم عمر لڑکا ہے۔ اس سے پوچھنے پر کہ تمہارے پاس کیا ہے تو اس نے کہا چالیس دینار ہیں۔ اس پر دوسرے ڈاکو نے بھی کہا کہ ہاں ہاں مجھے بھی اس نے یہی جواب دیا۔ یہ سن کر داکوؤں کے سردار نے آپ کو بلا کر دریافت کیا تو آپ نے اقرار کیا کہ چالیس دینار گڈری میں بغل کے نیچے سلے ہوئے ہیں۔ جب اس جگہ کو ادھیڑا گیا تو برابر چالیس دینار برآمد ہوئے۔ یہ دیکھ کر سردار کو بہت تعجب و حیرانی ہوگئی۔ آخر اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم لوگ ڈاکو ہیں لٹیرے ہیں تم جھوٹ بول کر اپنے دینار کی حفاظت کرسکتے تھے کیوں سچ سچ کہہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ میری والدہ محترمہ نے مجھ سے کہا کہ بیٹے عبدالقادر ہر حال میں سچ کہنا میں نے اس وعدہ کو پورا کیا ہے۔ یہ جملے سردار کے دل میں تیر بن کر چبھے بس ہدایت کا وقت آگیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے یہ کہہ رہا تھا کہ تم اپنی والدہ کے وعدہ کو پورا کئے میں اپنے رب کے وعدہ کے خلاف زندگی

ضائع کی ہے۔آخراس نے آگے بڑھ کرآپ کے دست حق پرست پرتوبہ کی یہ دیکھ کرتمام ڈاکوبھی توبہ کرلئے اورلوٹا ہوا سارا مال قافلہ والوں کودے دیا۔یہ تمام ڈاکوڈاکونہ رہے بلکہ درجۂ ولایت پرفائز ہوئے۔اس مقام پراگردنیا کاطالب اگرہوتا تو اس کی سوچ یہ ہوتی کہ کسی ڈاکو کی نظراس چھپے ہوئے دینار پرنہیں پڑے گی،پوچھنے پرجھوٹ سے کام لیا جائے لیکن آپ چونکہ خدارسیدہ والدین کریمین کے نیک صالح اولاد ہیں توسوچ بھی نیک ہوتی ہے۔سچائی میں یقیناً تاثیرہوتی ہے۔اسی طرح اللہ کے وہ نیک بندے جونمازادا کرتے ہیں ان کے مقابل دنیا پرست جونمازادا کرتے ہیں بظاہردیکھنے والوں کو دونوں نمازی نظرآتے ہیں لیکن ان میں کتنا فرق ہے سوچئے جودرج ہے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کس طرح سے نمازادا کرتے ہیں۔جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں ظاہری وضوپانی سے اورباطنی وضوتوبہ سے کرتا ہوں،جب مسجد میں داخل ہوتا ہوں تونظروں کے سامنے مسجدِ حرام اورمقامِ ابراہیم ہوتے ہیں،میری سیدھی جانب جنت اوربائیں دوزخ ہوتی ہے،میرے قدموں کے نیچے پل صراط ہوتی ہے اورتصوریہ باندھتا ہوں کہ خدامیرے سامنے ہے موت پیچھے ہے اوردل کواللہ کی جانب کرلیتا ہوں،بہت ہی ادب کے ساتھ تکبیر کہہ کرنمازشروع کرتا ہوں،قیام میں احترام اورقرأت میں ہیبت،نہایت عاجزی سے رکوع وسجودوقیود ہوتا ہے،بارگاہِ الٰہی میں شکرادا کرتے ہوئے سلام پھیرلیتا ہوں۔ان اولیاء اللہ کی شان وعظمت کی نماز کے تعلق سے شاعر نے کہا ہے۔

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ وہ نمازی نہ رہے　　یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے

دنیاوالوں کی دکھاوے کی نماز پرشاعر کہتا ہے۔

تیرادل توہے صنم آشنا　　تجھے کیا ملے گا نماز میں

لیکن اس نماز کوہرگزنہ چھوڑیں،سوچئے کہ کیا میری نماز میں خشوع وخضوع ہے،کیا میری نماز قیامت کے دن باعثِ ثواب ہوگی؟۔اللہ تعالیٰ ریاکاری کی نماز سے ہماری حفاظت فرمائے۔

ان واقعات کے حقائق پرغوروفکرکرنی چاہئے کہ دنیاوالوں کی سوچ کیسی ہوتی ہے جب کہ اللہ والوں کی کیسی شاندار سوچ ہوتی ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں اعضاء دئے ہیں تواس کا صحیح اورجائز استعمال ضروری ہے۔یہاں پربھی انسان جودنیاپرست ہوتا ہے وہ سوچتا ہے کہ خدانے مجھے آنکھ جودی ہے یہ سینما دیکھنے،ٹی وی دیکھنے کے غیرغلط سیریل اور

انٹرنٹ کے برے مناظر کے لئے ہے۔

جب کہ خدا ترس جو ہوتے اپنی آنکھ کا استعمال اس طرح کرتے ہیں۔ کہ اپنے والدین کا چہرہ خوشی سے دیکھنا بھی باعث ثواب ہے۔ یہ دیکھیں ان آنکھوں سے قرآن شریف دیکھیں اور کعبۃ اللہ، گنبد خضریٰ کا نظارہ کریں۔ کان کا استعمال گانے ڈھول بھاجے، غیبت چغلی اور بے ہودہ باتیں سننے کے لئے سوچتے ہیں، نہیں نہیں بلکہ کان قرآے کلامِ پاک، حمد و نعت ومنقبت اور دینی باتیں ومسائل وفضائل سننے کے لئے ہیں یہ سوچیں۔

زبان بھی اللہ نے دی تو قرآن مجید کی تلاوت، درود شریف کی کثرت اوراد و وظائف دینی کتب پڑھنے کے لئے ہے۔ سوچیں بزرگوں نے کہا "تولو بعد بولو"۔ پیارے آقا ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ روزانہ بدن کے اعضاء اپنی زبان سے عرض کرتے ہیں کہ آج اپنی سلامتی سے رہ ورنہ اعضاء کو تکلیف ہوگی، کیونکہ زبان سے کوئی برا لفظ نکال دینے سے بدن کے اعضاء کو مار پیٹ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ زبان صحیح سلامت اندر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح ہاتھ پیر کا صحیح اور درست استعمال ہو یہ سوچئے ورنہ سراسر نقصان ہی نقصان اور عذابِ آخرت ہے۔

انسان کو چاہئے کہ پہلے خود کی اصلاح کرے۔ قرآن شریف کا واضح پیغام ہے کہ۔ یا ایھا امنو اقوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ۔ (پ۲۸ تحریم) اے ایمان والو اپنے آپ کو اپنے اہل وعیال کو (بیوی بچوں) کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

تربیت اور اصلاح گھر سے شروع ہونی چاہئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ جو بڑا ہوتا ہے اس سے اس کے ماتحت کے متعلق قیامت میں پوچھا جائے گا اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ لڑکا جب (لڑکی بھی شامل) سات سال کی عمر کا ہو جانے پر انہیں وضو ونماز کا طور طریقہ سکھلائیں۔ دس سال کی عمر کو جب پہنچ جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر مار کر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

خود کی اصلاح نہیں ہوئی اور بیوی کی اصلاح ونرمی وخوشگوار انداز سے نہیں کئے اور اپنی اولاد کی تربیت واصلاح بھی ٹھیک سے نہیں کی گئی گھر کا سارا انظام چوپٹ ہے اس صورت میں ہم کو اپنا گھر چھوڑ کر دوسروں کی اصلاح کی فکر دامن گیر ہوتی ہے، یہ کہاں کا خود ساختہ قانون ہے۔ حضور ﷺ اور مقدس صحابہ کرام اور اولیائے عظام کی متبرک زندگی کے حالات کا مطالعہ کریں تو آپ کو کہیں ایسی مثال نہیں ملے گی کہ خود کی اصلاح چھوڑ کر دوسروں کی اصلاح کرتے پھریں۔ بس اللہ تعالیٰ راقم وقارئین حضرات کو نیک سوچ اور اصلاح کی توفیق دے۔

وما علینا الا البلاغ

خانوادۂ اشرفیہ - ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر سید سجاد حسین
صدر، شعبۂ اردو، مدراس یونی ورسٹی.

ہندوستان میں خانوادۂ اشرفیہ کے بانی حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ اوائل آٹھویں صدی کے ایک بلند پایہ صوفی اور صاحب طریقت بزرگ تھے جنھوں نے اپنی ساری زندگی تحصیل علم، عبادت و ریاضت، تزکیہ نفس اور رشد و ہدایت کے لئے وقف کردی تھی۔ آپ کا شمار ان تین جلیل القدر صوفیوں اور بلند مرتبت اولیاء کرام میں ہوتا ہے جو محبوب یزدانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ایک محبوب سبحانی حضرت عبدالقادر جیلانیؒ دوسرے محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور تیسرے محبوب یزدانی حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ ہیں۔ آپ کی پیدائش کی صحیح تاریخ کے بارے میں کوئی تحقیقی ثبوت فراہم نہیں ہوسکا البتہ مورخین کی متفقہ رائے ہے کہ آپ ۷۰۹ھ اور ۷۱۲ھ کے درمیان سمنان میں پیدا ہوئے جہاں اس وقت حسینی سادات ایک بڑی تعداد میں آباد تھے۔

سمنان ایران کا ایک نہایت قدیم شہر ہے جس کے چاروں طرف قلعے اور پراسرار غاروں کے علاوہ خوبصورت باغ وہاں پر آنے والے سیاحوں کو دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ سمنان کا نام قبل از اسلام کی تاریخی کتابوں میں نہیں ملتا لیکن یہاں کے قدیم تاریخی آثار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جگہ قدیم الایام سے آباد رہی ہے۔

مولف تاریخ سمنان رقم طراز ہیں کہ سمنان کے قدیم تاریخی آثار اس شہر کی قدامت پر آج بھی گواہی دے رہے ہیں اور بہت سے آثار ایسے بھی ہیں جو قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں زبان حال سے سنا رہے ہیں اس لئے سمنان کے تاریخی آثار کو دیکھ کر اسے ایران کا عجائب خانہ کہنا غلط نہ ہوگا۔

سمنان میں قلعوں کی کثرت اور اس کی جغرافیائی طرز وضع سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علاقہ مختلف ادوار میں مختلف خود مختار حاکموں کے زیر تسلط منقسم ہوتا رہا ہے سمنان میں خلفائے راشدین کے دور ہی سے اسلام کی اشاعت شروع ہوگئی تھی۔ چنانچہ یہاں کی پہلی مسجد جو جامع مسجد سمنان کے نام سے مشہور ہے حضرت علی کے دور سے منسوب کی جاتی ہے جس میں مختلف حکمرانوں نے اپنے اپنے دور میں ترمیم و اضافے کرتے رہے۔ اس لئے اس میں مختلف دور کے تعمیری نمونے ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مولف تاریخ سمنان نے ایک اور بات کا پتہ لگایا ہے کہ یہاں قرن اول ہجری ہی سے

سادات کی آمد شروع ہوگئی تھی۔ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ سمنان کے محفوظ قلعے اور یہاں کی سازگار آب وہوا نے عباسی دور میں بہت سے حسینی سادات کے لئے جائے پناہ کا کام دیا ہے۔اس لئے یہاں سادات بکثرت آباد ہوتے چلے گئے۔

کہا جاتا ہے کہ سمنان کے سادات کا حسب نسب حضرت عمر اشرف بن علی بن حسین سے ملتا ہے۔سمنان میں اشرفیہ سلسلہ آج بھی سلوک ومعرفت اور دینی علوم کی ترویج واشاعت میں سرگرم عمل ہے۔اسی سرزمین پر آٹھویں صدی ہجری کی ابتدا میں سادات حسینی کے ایک فرزند سید اشرف پیدا ہوئے جو آگے چل کر قدوۃ الکبریٰ، محبوب یزدانی، غوث العالم، اوحدالدین، جہانگیر اور چشتی کے القاب سے ملقب ہوئے۔

حضرت سید عبدالرزاق نورالعین مولف مکتوبات اشرفی کے مطابق آپ کے والد ابوالسلاطین حضرت سید ابراہیم سمنانیؒ نہ صرف سلطان تھے بلکہ ایک خدارسیدہ بزرگ بھی تھے۔خود حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے والد سلوک ومعرفت کے سارے مراحل طئے کر کے روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو چکے تھے۔مکتوبات اشرفی میں حضرت سید اشرف سمنانیؒ نے اپنے والد بزرگوار کے روحانی فیوض وکمالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کوشمغان، خوارزم، اسفنجان، وامغاں اور نوشیروان سے نہ جانے کتنے طالبین معرفت آپ کی زیر تربیت منزل مقصود تک پہنچے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت سید اشرف سمنانی نے اپنے والد بزرگوار کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے آپ کی روحانی شخصیت اور ذات نورانی صفات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے؛

> ''ایک شخص کو نوشیروان میں علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد داعیہ معرفت الٰہی پیدا ہوا اور اس نے راہ سلوک طئے کرنا چاہی۔حضرت خضر علیہ السلام نے بشارت دی کہ حضرت سید ابراہیم سمنانیؒ کا دامن پکڑو جو روسائے نوربخشیہ میں سے ہیں آخر وہ شخص آپ کی ارادت میں آکر حصول علم وسلوک ومعرفت میں مشغول ہوا اور منزل مقصود تک پہنچا۔''

حضرت سید ابراہیم سمنانیؒ کے دور سلطنت میں سمنان کی خوش حالی اور تعلیم عامہ کا ذکر 'لطایف اشرفی' میں جس شد ومد کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کے حدود سلطنت میں عام طور سے لوگ خوشحال تھے اور علم کا زیادہ چرچا تھا۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کی ماں کا سلسلہ نسب بنی سامان کے شاہی خاندان سے ملتا ہے اور وہ خود بھی حضرت سید احمد یسویؒ کی نسل سے تھیں۔ان کا نام خدیجہ تھا وہ نہایت عبادت گذار بی بی تھیں اس طرح حضرت سید اشرف

سمنانیؒ نے ایسے ماحول اور ایسی آغوش میں تربیت پائی جہاں ہر لمحہ دنیا پر دین غالب تھا۔

سمنان کی سلطنت کے بارے میں حضرت سید اشرف سمنانیؒ خود فرماتے ہیں کہ یہ سلطنت ماں کی طرف سے انہیں ترکے میں ملی تھی سلطان ابراہیم کے بعد حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی وارث سلطنت ہوئے۔ بارہ سال حکومت کرنے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام کی ہدایت پر سلطنت ترک کر کے ہندوستان کی طرف چل پڑے۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کی ابتدائی تعلیم والد بزرگوار کے زیر سایہ ہوئی۔ بعد ازاں حضرت شیخ علاؤ الدولہ سمنانیؒ سلوک و معرفت میں آپ کے پہلے استاد مقرر ہوئے انہیں کی صحبت میں آپ نے راہ سلوک کی منزلیں طے کی تھیں۔ بچپن ہی سے حضرت سید اشرف سمنانیؒ نہایت منکسر المزاج، پاک باز راست گو اور حلیم الطبع واقع ہوئے تھے۔ سلوک و معرفت سے ان کا رشتہ چولی دامن کا ساتھا۔ ماں بھی خدا ترس خاتون تھیں اور والد محترم تو اپنے زمانے کے بلند پایہ صوفی بزرگ۔ اللہ نے حضرت سید ابراہیم سمنانیؒ کو سید اشرف کے روپ میں ایک نیک اور صالح اولاد عطا کی جس کے آپ آرزومند تھے۔ ایک دن خواب میں حضرت رسالت مآبؐ نے آپ کو دو بیٹوں کی خوش خبری دی اور ہدایت کی کہ پہلے کا نام اشرف اور دوسرے کا نام محمد رکھنا اور یہ بھی بتایا کہ اشرف ظاہری اور باطنی دونوں سلطنتوں کا سلطان ہوگا۔ حضرت رسالت مآبؐ کی اس بشارت نے سلطان ابراہیم کی زندگی کی کائنات کو سلوک و معرفت کے خزانوں سے مالا مال کر دیا۔

حضرت سید اشرف سمنانیؒ نے بہت کم عمری میں قرآن ہفت قراۃ کے ساتھ حفظ کر لیا اس وقت آپ کی عمر سات سال کی تھی۔ چودہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے آپ نے مروجہ علوم منقول و معقول کی تکمیل کر لی۔ پندرہ سال کی عمر میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے اور حکومت کا کاروبار آپ کو سنبھالنا پڑا۔ دس بارہ سال تک آپ فرمانروائی کرتے رہے لیکن آپ کا دل شروع ہی سے خدا کی محبت میں گرفتار تھا۔ محبت کی یہ آگ سلگتی رہی اور تیز سے تیز ہوتی گئی۔ تصوف کی کتابوں سے آپ کی دلچسپی بڑھنے لگی جس کے نتیجہ میں تصوف کی بیشتر کتابیں آپ کے مطالعے میں آئیں جن میں شیخ فریدالدین عطار کی منطق الطیر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ایام حکمرانی میں جب چنگیزی قزاقوں اور منگولوں کے حملوں سے حسینی سادات کے بیشتر افراد اور سامانیہ سلسلے کے بہت سے پاکبازوں نے جام شہادت نوش کیا تو ان خون ریز واقعات نے حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے دل پر ایسا اثر ڈالا کہ آپ نے سلطنت ترک کر کے معرفت الٰہی کو مقصد حیات بنالیا اور ہر وقت خدا کی یاد میں مستغرق رہنے لگے۔ اس وقت شیخ علاؤ الدولہ سمنانیؒ کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی اور وہ آپ سے قریب بھی تھے اس لئے آپ نے اول شیخ علاؤ الدولہ سمنانیؒ سے اکتساب فیض کیا ایک اور بزرگ شیخ عبدالرزاق کاشانی کا بھی بڑا شہرہ تھا جو وحدت الوجود کے قائل تھے آپ نے شیخ کاشانی سے 'خصوص الحکم' پڑھی اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی حقیقت سے پوری

واقفیت حاصل کی۔ اس اثنا میں حضرت خضر علیہ السلام نے بشارت دی کہ تمھاری آرزو پوری ہو چکی اب ترک سلطنت کا وقت آ گیا ہے لہذا ہندوستان کا رخ کرو وہاں ایک بزرگ یحیٰی صادق، عیسیٰ نفس موسیٰ آثار، خلیل انوار، یوسف روی، محمد خلق موسوم بہ حضرت علاؤ الدین گنج پنڈویؒ اقامت گزیں ہیں ان کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔ صبح کو آپ نے اپنے چھوٹے بھائی شاہ محمد کو کاروبار سلطنت سونپ کر والدہ سے رخصت کی اجازت چاہی تو والدہ نے کہا بیٹا جاؤ خدا مبارک کرے لیکن جاؤ تو اس طمطراق سے کہ ایسا معلوم ہو کہ گویا تم ملک فتح کرنے جا رہے ہو تا کہ میرے لئے تمھاری جدائی کا غم تھوڑی دیر کے لئے کم ہو جائے۔ چنانچہ ایک بڑی جمعیت آپ کے ہمراہ ہوئی اور شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ بھی کچھ دور آپ کے ساتھ گئے۔ حضرت سید اشرف سمنانیؒ سراپا جذب و شوق کے عالم میں وارفتہ تھے۔ اس وقت آپ کی عمر پچیس سال کی تھی۔ ترک سلطنت، ماں کی مفارقت، بھائی سے جدائی اور راہ کی صعوبتیں آپ کے لئے صبر و رضا کی پہلی منزل تھی۔

دوران سفر جب مختلف منزلوں سے گذر رہے تھے تو راستے میں صوفیا اور اولیاء کرام سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں جنھوں نے یہ خبر دی کہ بنگال میں شیخ علاؤ الدین پنڈویؒ آپ کے منتظر ہیں۔ الغرض دو سال تک راہ طے کرنے کے بعد آپ بہار کی سرزمین کو عبور کرتے ہوئے بنگال میں وارد ہوئے جہاں سلطان العارفین شیخ علاؤ الدین پنڈویؒ پہلے ہی سے آپ کے منتظر تھے۔ یہی وہ ذات بابرکات ہے جن کے فیض تربیت سے حضرت سید اشرف سمنانیؒ، قطب العام، غوث العالم، جہانگیر اور محبوب یزدانی کے مراتب تک پہنچے۔ حضرت سید اشرف سمنانیؒ شیخ کی خانقاہ پہنچتے ہی اپنے سر کو شیخ کے قدموں میں ڈال دیا۔ سلطان العارفین شیخ نے فرزند معنوی کا سر قدموں سے اٹھا کر سینے سے لگایا اور فرمایا جس دن سے تم گھر سے نکلے ہو میں منزل بہ منزل تمھارا نگراں تھا۔ آخر شیخ نے حضرت سید اشرف سمنانیؒ کو بہت سارے تبرکات اور خرقے عنایت کئے اور اپنے سر سے پگڑی اتار کر ان کے سر پر رکھی۔ اس کے بعد حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ اپنے شیخ کی زیر تربیت روحانی فیوض و برکات سے بہرور ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ بقول سید وحید اشرف دو سال سے بھی زیادہ مدت تک جاری رہا۔ روحانی فیوض اور معرفت الٰہی کے اسرار و رموز سے سرفراز کرتے ہوئے شیخ نے آپ کو جونپور کا رخ کرنے کی ہدایت دی جسے آپ نے بسر و چشم قبول کیا اس سفر کے دوران آپ کے رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی جاری رہا اور وعظ و نصیحت کے ساتھ تبلیغ دین کی اشاعت بھی ہوتی رہی۔ غرض کچھوچھہ شریف پہنچنے تک سینکڑوں لوگ (جن میں ہندو، سکھ عیسائی) سبھی شامل تھے نہ صرف مشرف بہ اسلام ہوئے بلکہ آپ کے حلقہ بگوش اور مرید ہو گئے۔ ان میں حضرت ملک محمودؒ کا شمار آپ کے اجلہ خلفاء میں ہوتا ہے۔ یہی وہ مرید تھے جنھوں نے اپنے پیر و مرشد کے لئے کچھوچھہ شریف میں خانقاہ تعمیر کروائی جہاں پر آپ کا مزار آج بھی عقیدت مندوں اور زائرین کے لئے مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

یہ بات اب پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت سید اشرف سمنانیؒ تین مرتبہ ہندوستان تشریف لائے تھے۔ مولف مکتوبات اشرفی کے مطابق آپ کا ورود پہلی بار ہندوستان میں ارادت شیخ کے لئے ہوا تھا دوسری بار ورود میں آپ شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کی نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے خلیفہ حضرت سید جلال بخاریؒ سے ہم گریباں ہوئے۔ تیسری بار جب آپ ہندوستان تشریف لائے تو آپ کو حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ سے باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ اسی اثنا میں خواجہ بندہ نوازؒ کے پوتے حضرت شاہ یداللہؒ آپ کے اتنے گرویدہ ہوئے کہ انہیں کے اصرار پر حضرت سید اشرف سمنانیؒ کئی ماہ تک گلبرگہ شریف میں اقامت گزیں رہے۔ اس کے بعد آپ بنگال سے جونپور اور ظفر آباد ہوتے ہوئے کچھوچھہ شریف پہنچے یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی اور یہیں پیوند خاک ہوگئے۔

آپ کے ملفوظات کا گراں بہا ذخیرہ 'لطائف اشرفی' آپ کی عملی زندگی کا آئینہ دار ہے اس لئے کہ آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا عملی نمونہ بھی اپنی زندگی سے پیش کر کے دکھادیا۔ آپ کے پاس آئے دن امراء اور بادشاہوں کے تحفے اور نذرانے کثرت سے پہنچتے تھے لیکن آپ انہیں اپنے مریدین میں تقسیم کردیتے تھے۔ آپ کی ذات علوم وفنون اور سلوک ومعرفت کا سرچشمہ تھی۔ آپ کی تصانیف اور خطوط آپ کے روحانی فیوض وکمالات اور علمی قابلیت پر شاہد عادل ہیں۔ 'لطایف اشرفی' خود آپ کی وسعت علم اور علمی بصیرت کا پتہ دیتی ہے یہ کتاب تصوف اسلامی کی تمام بنیادی کتابوں کا نچوڑ ہے اس میں تصوف کے مختلف مسائل کو عالمانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ لطائف اشرفی میں رودکی، فردوسی، نظامی، رومی، شیخ سعدی، حافظ شیرازی اور امیر خسرو کے اشعار موجود ہیں۔ آپ خود بھی زودگو باذوق اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ آپ کا دیوان اگرچہ دستیاب نہیں ہے لیکن آپ کے سینکڑوں اشعار لطائف اشرفی اور ان کی دوسری تصانیف میں موجود ہیں آپ کے تمام اشعار شعری لطافت اور سوز وگداز میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کو نثر پر بھی دسترس حاصل تھی۔ 'نحو اشرفیہ' شرح ہدایہ، فوائد العقائد، فتاوائے اشرفیہ، ارشاد الاخوان، فوائد الاشرف وغیرہ کے مطالعے سے ان کی انشاء پردازی کے نہایت عمدہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ امرا اور سلاطین کو لکھے گئے خطوط سے حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے قلم کی روانی اور طبیعت کی بے ساختگی زبان پر بے پناہ قدرت اور جودت طبع کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی بعض تحریروں میں انشاء پردازی کا وہ جوہر ابھر آیا ہے کہ ہر عبارت دلکش اور جاذبیت کا جیتا جاگتا نمونہ معلوم ہوتی ہے۔ حضرت سید اشرف سمنانیؒ کی تحریروں کی یہ خصوصیت ان کے ہم عصر نثر نگاروں کی تصانیف میں بہت کم ملے گی۔ اس لحاظ سے نثر میں بھی آپ کا مقام اپنے دور میں ممتاز ومنفرد نظر آتا ہے۔

آپ کا وصال ۲۸ محرم ۸۳۰ھ کو ۱۱۷ سال کی عمر میں ہوا۔ آپ کے بعد حضرت عبدالرزاق نورالعینؒ آپ کے

پہلے سجادہ نشین ہوئے جن سے سلسلہ اشرفیہ کی ترویج واشاعت ہوتی رہی اور یہی وہ بزرگ تھے جنھیں حضرت سید اشرف سمنانیؒ ہروقت اپنے ساتھ سفر وحضر میں شامل رکھتے تھے۔ اگرچہ حضرت سید اشرف سمنانیؒ کو وفات پائے چھ سو سال سے بھی زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن روحانی فیوض و برکات، رشد و ہدایت اور علوم ظاہری و باطنی کا سلسلہ آج بھی خانوادہ اشرفیہ میں جاری وساری ہے۔ اس شمع ہدایت کو شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں اشرفی دامت برکاتھم نہ صرف برصغیر ہندو پاک بلکہ ساری دنیا میں روشنی پھیلائے ہوئے ہیں۔

مراجع ومصادر:

۱۔لطایف اشرفی۔سید اشرف سمنانیؒ

۲۔مکتوبات اشرفی۔مولف سید عبدالرزاق نورالعین

۳۔کتاب نورالعین۔مطبوعہ ادارہ علم وادب کچھوچھہ شریف

۴۔نزہت الخواطر عبدالحئی۔مطبوعہ حیدرآباد دکن

۵۔تاریخ بنگال جلد دوم از جادوناتھ سرکار

۶۔مقدمہ انقلاب الامم۔عبدالسلام ندوی

۷۔فتاویٰ اشرفیہ۔سید اشرف سمنانیؒ

۸۔اشرف الانسان۔سید اشرف سمنانیؒ

۹۔تاریخ سمنان۔عبدالرفیع حقیقت

۱۰۔ایک ہندوستانی صحابی۔مناظر حسن گیلانی

۱۱۔بزم صوفیہ۔صباح الدین عبدالرحمٰن

۱۲۔روضۃ الاولیاء۔میر غلام علی آزاد بلگرامی

۱۳۔وصیت نامہ۔شیخ شرف الدین یحییٰ منیری

۱۴۔تاریخ فرشتہ۔ملا محمد قاسم

۱۵۔ذکر اشرف۔مولانا قدیر اشرف۔مطبوعہ ادارہ علم وادب، کچھوچھہ شریف

۱۶۔ریاض السلاطین۔مولف غلام حسین سلیم۔مطبوعہ کلکتہ۔

مولانا روم کے کلام میں اخلاقیات

ڈاکٹر قاضی حبیب احمد
اسوسی ایٹ پروفیسر
شعبہ عربی فارسی واردو، مدراس یونی ورسٹی

علمی اور اخلاقی تصنیفات کے دو طریقے ہیں۔ایک یہ کہ مستقل حیثیت سے مسائل بیان کئے جائیں۔دوسرے یہ کہ کوئی قصہ اور افسانہ لکھا جائے اور علمی مسائل موقع بہ موقع اس کے ضمن میں آتے جائیں۔یہ طریقہ اس لحاظ سے اختیار کیا جاتا ہے کہ جو لوگ روکھے پھیکے علمی مضامین پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کر سکتے وہ قصہ اور لطائف کی چاٹ سے اس طرف متوجہ ہو جائیں۔

مولانا روم کی آفاقی اقدار، فکری بصیرت اور غیر معمولی قوتِ مشاہدہ نے ان کی تعلیمات کو ہر زمانہ کے لئے اہم اور بامعنی ثابت کر دیا ہے۔اسی بنا پر وہ ماضی، حال اور مستقبل کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ان کے سوزِ دروں نے ہر دور میں نہ معلوم کتنے افسردگان خام کو سوختہ ساماں بنا دیا:

دودِ آہِ سینۂ سوزانِ من سوخت این افسردگانِ خام را

وہ عشق و مستی کے میرِ کارواں بھی ہیں اور سوز و گداز کے سالارِ قافلہ بھی۔اسی وجہ سے ان کے پیغام کی اثر انگیزی اور آفاقیت زمان و مکان کی حدود سے نکل چکی ہے۔

ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے عہد میں مادہ پرستی، کج روی، مصلحت کوشی اور بے عملی کے پر از مصالح حجابات کے تار و پود بکھیرے اور معاشرہ کو ان خرابیوں سے پاک کیا۔وہ حقانیت وصداقت کے پیغامبر ہیں۔جنہوں نے افراد کی ذہنی و روحانی پرورش کی، ایک صحت مند وصالح معاشرہ کی تشکیل کی اور فکر و عمل کے باہمی رشتوں کو استوار اور مضبوط کیا۔

مثنوی شریف کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس میں حقائق و معارف اور اسرار و رُموز کو اخلاقی قصوں اور لطیفوں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے جس کی بنا پر اس کی جذب و سرمستی اور اثر انگیزی نے عوام و خواص کے دلوں میں جگہ بنالی۔

مولانا نے مثنوی شریف میں مضامین کی کسی قسم کی ترتیب وتبویب نہیں فرمائی بلکہ چھ دفاتر (جن کی صحیح تعداد قونیہ میں موجود قدیم ترین نسخہ کے مطابق 26,632 ہے) میں اپنے مخصوص پیرایۂ بیان میں سب کچھ بیان فرمادیا۔ حقائق ومعارف اور اسرارِ الٰہی کے بیان کے ضمن میں ان کا شعر زبان زد ہے:

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبران گفتہ آید در حدیثِ دیگران

یعنی دلبروں اور معشوقوں کے رازہائے سربستہ کو دوسروں کی زبان سے بیان کیا جانا بہتر ہوا کرتا ہے۔

بہرحال مولاناؒ کی مثنوی کا مقام ومرتبہ بالکل منفرد ہے۔ اس کے بیشتر اشعار اپنی دلپذیری، برجستگی، صفائی بیان، طریقۂ استدلال، طرزِ افہام میں اپنی مثال آپ ہیں۔ مثنوی شریف کی بعض حکایتوں اور روایتوں کی سند پر بہت سے اربابِ تحقیق متفق نہیں ہیں، مگر یہ چیز ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بعض احادیث و روایتوں کی سند اور غیر واقعیت، مقصد کے ثبوت کے سلسلہ میں ضرر رساں نہیں ہوتی۔ مولاناؒ نے ان حکایات اور قصوں سے جو نتائج اخذ کئے اور جو موثر تعلیمات پیش کیں ان کی نظیر نہیں ملتی۔

مولانا نے ان حکایتوں کے ذریعہ اخلاقی مسائل کی تعلیم اور کردار سازی کے لئے ضروری واہم نکات کی تفہیم کے طریقہ کو اوجِ کمال پر پہنچادیا اور ان کے ضمن میں نفس انسانی کے عیوب، پوشیدہ اسرار ایسے لطیف پیرایۂ بیان میں پیش کئے کہ عام قاری یہ کہنے پر مجبور ہوگیا: ع

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اس مقالے میں میں نے مثنوی شریف کے اخلاقی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ کردار سازی، آدمیت کو انسانیت سے ہمکنار کرنے اور آج کے لئے ایک صحت مند معاشرہ کی تشکیل وتعمیر کے واسطہ مولاناؒ نے کیا زریں اصول پیش فرمائے ہیں اور بیش قیمت نصیحتیں کی ہیں۔

اخلاق کی اہمیت ہر مذہب کے پیغامبروں نے ثابت کی ہے۔ قرآن مجید میں اور پیغمبر آخرالزماں ﷺ کے یہاں بھی تمام زور اخلاق کی پاکیزگی اور کردار سازی پر دیا گیا ہے کیونکہ یہ سب باتوں کی اصل ہے۔

انسان کے اخلاق کو جو چیزیں پاکیزہ بناتی ہیں ان کو دو خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کچھ خصائل کو اپنانا اور ان کو اپنی شخصیت کا جزو بنالینا اور کچھ عادتوں کو چھوڑنا اور ان سے مکمل اجتناب مثلاً صبرورضا، جود و سخا، توکل واحسان، تحمل و بردباری، راست گوئی و راست بازی، عفوودرگزر، ایثار عدل وانصاف، دل داری وغم گساری اور رحم دلی جیسی صفات کو اپنی ذات کا حصہ بنانا اور حرص وطمع، عُجب و خود بینی، کذب وافتراء، دل آزاری، حسد، بخل

، کینہ، غیبت، طعن وتشنیع، بدخواہی، خودغرضی، بدگمانی وغیرہ جیسی بُری عادتوں سے پرہیز لازمی ہے۔

مولاناؒ نے ان تمام اخلاقی موضوعات کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ کبھی وہ ان تعلیمات کو قرآن وحدیث کے ذریعہ بیان کرتے ہیں، کبھی قصص انبیاء وحکایات اولیاء اور مختلف تمثیلات سے نتیجہ اخذ فرماتے ہیں۔ کچھ حکایات تو بنیادی طور پر تہذیب اخلاق سے ہی متعلق ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو کلامِ الٰہی کا اصل موضوع بھی تہذیبِ اخلاق ہے۔ مثنوی معنوی حکمت وعرفان کے رموز ونکات کا ایک لامتناہی سمندر ہے جس میں سے طالب غوطہ لگا کر اپنی استعداد کے مطابق موتی برآمد کرتا ہے۔ اسی بنا پر وہ ابتدا سے اربابِ تصوف اور عارفین کے لئے صحیفہ کاملہ رہی۔ اس کے اشعار صاحبان صدق وصفا کی محفلوں کو گرماتے رہے اور وہ ان سے اکتساب فیض کرتے اور اپنے روحانی سفر میں ارتقائی منازل طے کرتے رہے۔

صبر ایسی صفت ہے جو انسان کو بڑی سے بڑی مصیبت برداشت کرنے کی طاقت عطا کرتی ہے۔ انسانی زندگی میں کتنے ہی ایسے حادثات رونما ہوتے ہیں جن کی وجہ سے رنج، اذیت، تکلیف اور مصیبت کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ ذہنی سکون غارت ہوجاتا ہے۔ پراگندگی جگہ کرلیتی ہے۔ ایسے وقت میں صبر اس کو سنبھالتا ہے اور وہ یہ جان لیتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے اور اُسے ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہئے۔

مولاناؒ نے مثنوی شریف میں جابجا صبر وضبط پیدا کرنے پر زور دیا اور اس کو کیمیا جیسی اہم اور ضروری چیز قرار دیا ہے۔

صد ہزاران کیمیا حق آفرید کیمیائی ہمچو صبر آدم ندید

اللہ تعالیٰ نے لاکھوں اقسام کی کیمیا پیدا کیں لیکن صبر جیسی کیمیا کسی آدمی نے نہ دیکھی۔

رزق آید پیش ہر کہ صبر جُست رنج و کوششہا ز بی صبریِ تست

جس نے صبر اختیار کیا اس کی روزی اس کے سامنے آگئی۔ (بیجا) محنت وکوششیں یہ سب تمہاری بے صبری کی وجہ سے ہیں۔

گفت لقمانؑ صبر نیکو ہمدمیست کو پناہ و دافع ہر جا غمیست

یعنی حضرت لقمانؑ نے فرمایا کہ صبر انسان کا اچھا ساتھی ہے کیوں کہ وہ ہر جگہ غم کی پناہ اور اس کو دور کرنے والا ہے۔

رضا بالقضا بھی صبر کی ایک صورت ہے یعنی جو حالات اور امور انسان پر ایسے وارد ہوں جن کے دفعیہ کا علاج نہ ہو جو اس کے قبضہ واقتدار سے باہر ہوں ان پر رضامندی وتسلیم ہی اس کے لئے فتح وکامرانی ہے۔ فرماتے ہیں:

چون قضائے حق رضای بندہ شد حکمِ او را بندۂ خواہندہ شد

یعنی بندہ جب احکامِ الٰہی پر مکمل طور پر راضی ہوگیا تو اس کا حکم بندہ کی خواہش کا درجہ حاصل کر لیتا ہے:

اے کہ عقلت بر عطارد دق کند　　　عقل و عاقل را قضا احمق کند

یعنی اے وہ جس کی عقل عطارد پر نکتہ چینی کرتی ہے۔ قضا عقل و عقلمند کو احمق بنا دیتی ہے۔

ہست صد چندین فسونہائے قضا　　　گفت اذا جاء القضا ضاق الفضا

قضا کے سیکڑوں حیلے ہیں کہا گیا ہے کہ جب قضا آتی ہے تو فضا تنگ ہو جاتی ہے۔

اسی طرح قناعت ایک ایسی صفت ہے جو آدمی کو آدمیت کے دائرہ میں رکھتی ہے اور بے جا خواہشات کی تکمیل اور اس کے لئے حق تلفی، خودغرضی، حرص وطمع، حسد، کینہ وبغض اور ایک دوسرے سے مسابقت وغیرہ کے جذبوں کو پروان چڑھنے دیتی ہے۔

مولاناؒ نے بڑے لطیف پیرایہ بیان میں قناعت کی اہمیت ثابت کی ہے۔ وہ سیپ کی مثال دیتے ہیں کہ لالچی وحریص لوگوں کو اپنی بے انتہا خواہشات کی تکمیل کا شوق سکون سے نہیں بیٹھنے دیتا، اسی لئے وہ قلبی سکون وطمانیت کی بے بہا دولت سے محروم رہتے ہیں اور کامیاب نہیں ہو پاتے۔ جس طرح سیپ اگر قناعت پسند نہ ہو تو اس کا اندرون آبدار موتی سے مالا مال نہیں ہوسکتا۔

کوزۂ چشم حریصان پُر نشد　　تا صدف قانع نشد پُر دُر نشد

یعنی لالچی لوگوں کی آنکھ کا پیالہ کبھی نہیں بھرتا۔ سیپ جب تک قناعت والی نہیں ہوتی اس میں موتی نہیں بھرتے، یعنی اگر وہ پانی کے قطرے اپنے اندر بھرتی رہے اور منھ نہ بند کرے تو ہر قطرہ بیکار چلا جائے گا۔

قناعت ایک ایسا خزانہ ہے جو ہر ایک کے ہاتھ نہیں آتا اور جب ایک بار آ گیا تو پھر وہ شخص بادشاہ بن جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل ایمان کا جزو ہے **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ**۔ یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔ مولاناؒ نے متعدد حکایتوں کے ذریعہ اس مسئلہ کو دلپذیر انداز میں سمجھایا ہے کہ توکل کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ انسان کوشش ہی نہ کرے بلکہ کوشش کرے اور پھر اللہ پر اعتماد و بھروسہ کرے، تاکہ بہتر نتیجہ حاصل ہوسکے۔

گفت پیغمبرؐ بآوازِ بلند　　　با توکل زانوئے اشتر بہ بند

یعنی حضور ﷺ نے بہانگ دہل (علی الاعلان) فرمایا کہ اونٹ کے رسی باندھو اور پھر اس کی حفاظت اللہ کے بھروسہ پر کرو یعنی حفاظت کے طریقے بھی اختیار کرو۔

کمانے والا اللہ کا پسندیدہ ہوتا ہے۔ اس نکتہ کو سنو اور توکل کی وجہ سے سبب کے معاملہ میں سستی نہ کرو۔

کسب کردن گنج رامانع کے ست پامکش ازکار آن خود درپے ست

تا نگردی تو گرفتارِ اگر کہ اگر این کردمی یا آن دگر

یعنی انسان کے لئے کما کر کھانا کب منع ہے؟ کام سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ وہ تمہارے پیچھے ہے۔

اگر مگر میں قطعی نہ پھنسو کہ اگر میں یہ کرتا یا وہ کرتا، کیوں کہ اگر مگر سے سوائے بعد میں افسوس کے کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے۔

احسان، تحمل و بردباری بھی انسانیت کی اعلیٰ اقدار میں اہم قدریں ہیں۔ جن کے ذریعہ عالمی سطح پر بھی آج کے بہت سے مسائل کا حل ممکن ہے۔ اگر دوسروں کی غلطیوں ولغزشوں اور اپنے اوپر ہوئی زیادتیوں پر تحمل و برداشت کا رویہ اختیار کریں تو بہت سی مشکلات کا دفعیہ ہوسکتا ہے۔ مولاناؒ نے جابجا مختلف اشعار میں دلنشیں انداز سے اس کی تعلیم دی ہے۔

چیست احسان را مکافات اے پسر لطف و احسان و ثواب معتبر

یعنی اے بیٹے! تم جانتے ہو احسان کا بدلہ کیا ہے؟ اس کا بدلہ مہربانی، احسان اور معقول ثواب ہے۔

احسان وکرم میں مومن وکافر کی تخصیص نہیں، جس طرح رحمتِ الٰہی ہر خاص وعام کو پہنچتی ہے۔

از کمالِ رحمت وموجِ کرم می دہد ہر شورہ را باران ونم

یعنی وہ رحمت کے کمال اور اپنے کرم کی موج سے ہر شور زمین کو بارش اور نمی پہنچاتا ہے۔

اے سلیمانؑ درمیانِ زاغ و باز حِلم حق شو با ہمہ مُرغان بساز

یعنی اے سلیمان! کوے وباز یعنی اچھے وبرے انسانوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کا حلم بن جاؤ اور تمام پرندوں یعنی انسانوں سے نباہ کرو۔

اسی طرح مولاناؒ نے تواضع وانکساری اور فروتنی وعاجزی کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے پر زور دیا ہے کیونکہ تواضع وفروتنی اہل کمال کی نشانیاں ہیں اور تکبر واستکبار ناقصین کی واضح علامتیں۔

فروتنی ست ذلیل رسیدگانِ کمال کہ چون سوار بہ منزل رسد پیادہ شود

یعنی عاجزی وفروتنی کمال پر پہنچے لوگوں کی علامت ہے کہ جب سوار اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو گھوڑے یعنی سواری سے اتر پڑتا ہے۔

جود و سخا اور انفاق بھی انسان کے لازمی صفات ہیں۔ کیوں کہ سخاوت وفیاضی انسانی شخصیت کو نکھارنے میں اہم

کردار ادا کرتی ہیں۔ یعنی اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دینا اور ان کی تکمیل کرنا لازمی ہے۔ جود و سخا اور انفاق فی سبیل اللہ انبیاء علیہم السلام اور خدا رسیدہ اشخاص کی شخصیت کے خصوصی جوہر رہے ہیں۔ جن کی وجہ سے بہت سی دوسری صفات خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔

مولانا نے ان صفات کو مختلف حکایات کے ذریعہ بیان فرمایا ہے:

صد نشان باشد درون ایثار را　　صد علامت ہست نیکو کار را

(یعنی انسان کی طبیعت میں اگر سخاوت و ایثار کا مادہ ہوتا ہے تو اس کے سیکڑوں آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔)

مال در ایثار اگر گردد تلف　　در درون صدزندگی آید خلف

(اگر ایثار کرنے میں اس کا سارا مال ختم ہو جائے (تو کوئی بات نہیں) اس کے بدلہ میں اس کے باطن میں سیکڑوں زندگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔)

خدمت خلق ایسی اہم صفت ہے جس کو اپنا کر انسان احسن تقویم کے زمرہ میں جگہ پاتا ہے۔ یہ جذبہ انسان میں اور بہت سی دوسری صفات پیدا کرتا ہے جن میں حق گزاری، حق شناسی، رقت قلب، احساس، رحمدلی، دلداری و دل آسائی، عدل و انصاف، نفاق سے دوری، وغیرہ سرفہرست ہیں۔ انبیاء علیہم السلام و صوفیائے کرامؒ نے اس صفت کو بہت اہمیت دی ہے کہ مخلوق کی خدمت، دراصل خالق کی خدمت ہے۔

مولاناؒ اپنے مخصوص لہجہ میں فرماتے ہیں:

رنجِ یک جُزوے زتن رنجِ ہمہ ست　　گردم صُلح ست یا خود ملحمہ است

(یعنی جسم کے ایک جزو (عضو) کی تکلیف سب کی تکلیف ہے خواہ وہ صلح کا وقت ہو یا جنگ کا):

خدمتِ خلق کے سلسلہ میں مولاناؒ نے اس کافر و منکرِ خدا کی حکایت شرح و بسط سے بیان فرمائی ہے۔ جو آنحضور ﷺ کے مکارمِ اخلاق کی ایک عمدہ مثال ہے:

کافران مہمانِ پیغمبرؐ شُدند　　وقتِ شام ایشان بہ مسجد آمدند

(یعنی کافر، پیغمبرؐ خدا کے مہمان ہوئے۔ شام کے وقت وہ مسجد نبویؐ میں آ گئے۔)

حضورؐ نے خاطر و تواضع میں کسر نہ چھوڑی۔ رات کو ایک کافر نے حضورؐ کے بستر مبارک پر سو کر اس کو غلاظت و نجاست سے ناپاک کر دیا۔ حضور انورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اس کی ساری نجاست کو دھویا اور صاف فرمایا اور چہرۂ پاک پر شکن تک نہ آئی:

دوسری جانب مولانا روم نے اخلاق ذمیمہ کو اپنی شخصیت سے دور رکھنے کے لئے جا بجا مختلف انداز سے متعدد تمثیلی حکایات درج کی ہیں۔ مثلاً عجب وخود بینی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک بری عادت ہے اور اس کے مرتکب کو سوائے حسرت وندامت اور تکلیف ومصیبت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ خود بینی اور غرور میں انسان کو صرف دوسروں کی آنکھوں کا تنکا نظر آتا ہے، مگر وہ اپنی آنکھوں کے شہتیر سے یکسر غافل رہتا ہے۔

مولانا نے اول، چہارم اور پنجم دفاتر میں تکبر اور خود بینی کے نقصانات کو جا بجا بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ باہمی اختلافات کا سب سے بڑا سبب بھی یہی تکبر ہے۔ ع

خود مبین تا بر نیارد از تو گرد

(یعنی خود پسند مت بنو تا کہ برباد نہ ہو)

کردار سازی کے لئے جن اخلاق ذمیمہ کو چھوڑنا لازمی ہے ان میں حرص وطمع بھی ہے۔ جو قناعت، توکل، صبر، سخاوت اور بذل وایثار کی ضد ہے۔ مولاناؒ نے ایک کامیاب معلم اخلاق کی حیثیت سے انسان کو حرص وطمع سے بچنے کی مؤثر طریقوں سے جا بجا تلقین فرمائی ہے:

صاف خواہی چشمِ عقل و سمع را بر دران تو پردہ ہائے طمع را

(یعنی اگر تو عقل کے آنکھ کان صاف رکھنا چاہتا ہے تو لالچ کے پردوں کو چاک کردے۔)

مولانا روم نے اپنے منظوم کلام میں مختلف النوع اخلاقی محاسن کے بیان کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ رشد وہدایت وہ عظیم فریضہ ہے جس کے لئے اللہ پاک نے فقط آسمانی کتب کا اہتمام نہیں کیا بلکہ کتاب کے ساتھ صاحبان کتاب بھی آئے اور اپنے عملی نمونوں کے ذریعہ بنی نوع انسان کی ہدایت کا کام انجام دیا اور ان کی پیروی میں عارفین نے ان ارشادات یعنی احادیث نبوی اور الٰہی فرمودات یعنی قرآنی تعلیمات کو ہر زمانہ میں بہتر اور مؤثر انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ مولانا روم کی مثنوی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے پس "ہست قرآن در زبان پہلوی" سے یہ بات ہرگز مقصود نہیں ہے کہ یہ مثنوی قرآن کی ہم پلہ یا عین قرآن ہے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ مولانا نے اس مثنوی میں قرآنی تعلیمات اور نبوی ارشادات کو ایسے دلکش پیرائے میں پیش کیا ہے کہ بنی نوع انسان کی خاطر خواہ ہدایت یقینی ہے۔ بشرطیکہ اس کا قلب عشق الٰہی سے سرشار اور حق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو۔

امانتی کتب خانہ شرف الملک کے قلمی مخطوطات

ڈاکٹر امان اللہ۔ ایم بی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، فارسی واردو
مدراس یونی ورسٹی

جنوبی ہند میں نویں صدی ہجری میں خاندان دیوان صاحب باغ میں بڑے علماء وفضلاء پیدا ہوئے۔ قاضی محمد کبیر، قاضی محمود صغیر، قاضی نظام الدین احمد کبیر، قاضی نظام الدین احمد صغیر، مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر اوران کے دونوں فرزند مولوی عبدالوہاب اور قاضی بدرالدولہ اوران کی اولادان میں سے ہر ایک صاحب علم وفضل تھا۔ انہوں نے عربی، فارسی اوراردو میں کتابیں لکھیں۔ مولوی عبدالوہاب، نواب عظیم الدولہ، نواب اعظم جاہ، نواب غلام غوث خان کے دیوان تھے۔ اور چیپاک میں سمندر کے کنارے رہتے تھے۔ جب انگریزوں نے نواب غلام غوث خان کے کلس محل پر قبضہ کیا تو وہ ۱۲۸۱ھ میں رائے پیٹ چلے آئے۔ چودہ ہزار میں ایک قطعہ زمین خریدا جواب بھی دیوان صاحب باغ کے نام سے موسوم ہے۔

مدرسہ محمدی کی جانب سے مذہبی اور دینی کتب شائع ہوتی تھیں۔ قاضی بدرالدولہ، مفتی محمود، شمس العلماء قاضی عبیداللہ، مفتی قاضی حبیب اللہ، مولوی صفی الدین کے علاوہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب کی تصانیف طبع ہوئی تھیں۔

مدرسہ محمدی کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ مخطوطات اورقدیم کتابوں کا تحفظ بڑے اہتمام سے کیا گیا ہے بلکہ زمانہ قدیم سے ہی نادرونایاب کتب مہیا کرا کے انھیں محفوظ کرنے کا نظم کیا گیا ہے جس کے سبب یہاں نادرونایاب کتابوں کا عجیب وغریب ذخیرہ جمع ہے۔ مدرسہ محمدی کے کتب خانہ کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ قدیم قدیم ذخائر کا یہ تحفظ ملک کی بڑی خدمت ہے۔ یہ مدرسہ محمدی کا گراں قدر کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ کتب خانہ جنوبی ہند میں نادرونایاب اپنے طرز کا واحد کتب خانہ ہے جو عربی، فارسی اوراردو مخطوطات اور مطبوعات پر مشتمل ہے۔ دنیا کے مختلف ملکوں سے ارباب علم اور ریسرچ اسکالرز یہاں آتے ہیں اوراس کتب خانہ سے مستفیض ہوتے ہیں۔ ان قلمی کتابوں میں ایسی کتابیں بھی کافی تعداد میں موجود ہیں جو اپنے حسین نقش ونگار، خوش نویسی، جلد سازی وروشنائی کے کمالات سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور بخشتی

ہیں۔ انگریز صحیح معنوں میں ان کتابوں کے قدردان تھے ایسی بہت ساری کتابیں اور مخطوطے وہ اپنے ساتھ لندن لے گئے اور برٹش میوزیم ولائبریری میں انھیں محفوظ کر رکھا ہے اور ان پر تحقیق اور ریسرچ بھی ہورہا ہے لیکن یہ نوادارات جب ناقدروں کے ہاتھوں میں لگ جاتی ہیں تو تباہ وبرباد ہوجاتی ہیں۔ مدرسہ محمدی کی صدسالہ تقریبات کے موقع پر ایک یادگار مجلّہ ۱۴۷ صفحات پر مشتمل ۲۶ رجب ۱۴۰۹ھ کو جاری کیا گیا تھا اس میں اداریہ کی جانب سے لکھے گئے مضمون میں یوں درج ہے۔

> ''مسلمانوں کے ہزار ہا کتابیں یوروپ اور امریکہ چلی گئیں ، ہزار ہا کتابیں اور نوشتے کیڑے کھا گئے، دیمک چاٹ گئی اب جو تھوڑے بہت موتی مدراس میں رہ گئے ہیں ان کی صیانت اہل مدراس کا فرض ہے۔[مجلّہ 'مدرسہ محمدی کی صدسالہ تقریبات' ص۔۱۰ اور ۱۱۔]

خانوادہ قاضی بدرالدولہ کے خاندان کے افراد میں نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی علم دوست رہی ہیں۔

مدرسہ محمدی نے جلد ہی ملک میں وقعت حاصل کرلی اور نہ صرف انگریزی صوبۂ مدراس میں بلکہ دیگر صوبوں اور ریاستِ حیدرآباد وغیرہ میں بھی اس کی شہرت ہوگئی۔ چناں چہ مدرسے کے معاونین میں سے نہ صرف نواب صاحب آرکاٹ بلکہ سلطنتِ آصفیہ حیدرآباد کے عطیئے بھی ہیں۔ مدرسہ شروع سے یہ کوشش کرتا رہا کہ خودکفیل رہے۔ مدرسہ کا شعبہ افتاء شروع سے اہم رہا۔ انگریزی دور میں بھی اسے سرکاری طور پر اہلِ خاندان میں رکھا گیا اور اب بھی صوبۂ مدراس کا صدر قاضی انھیں میں سے ہے اور گویا یہ مدرسہ محمدی کا جزء لاینفک ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ کتب خانے کے نوادر سے حیدرآباد کے دائرۃ المعارف نے بارہا استفادہ کیا اور شاید اسی تقریب سے حکومتِ آصفیہ کی کچھ امداد بھی اس کے لئے مقرر ہوئی۔ حیدرآباد کے دیگر ادارے بھی اس کتب خانہ سے استفادہ کرتے رہے۔ مثلاً ''نثر المرجان فی رسم الخط القرآن'' جو بزرگانِ خاندان ہی کی تالیف ہے غالباً مدرسہ نظامیہ حیدرآباد میں چھپی۔ مدرسہ محمدی میں اردو ذریعہ تعلیم تھی۔ مدرسے کا دارالافتاء سب سے کارکرد شعبہ رہا ہے۔

دیوان صاحب باغ کے مختلف افراد عالم وفاضل ہونے کے ساتھ ساتھ خطاطی میں بھی مشہور تھے۔ خطِ نسخ و نستعلیق، خطِ

ثلث ورقاع وریحان وتوقیع، خطِ بحار ومناشیر، گلزار عربی، گلزار فارسی، خطِ غبار، خطِ بیضاوی، خطِ مسلسل، خطِ ترسل، خطِ لرزہ، زلف عروس سادہ، زلفِ عروسِ پیچیدہ، خطِ طغرا۔ خطِ شکستہ وغیرہ کے مختلف نمونے تھے۔ خاندان دیوان صاحب باغ کے افراد خود ہی کاغذ بناتے تھے اور کالی روشنائی تیار کرتے تھے اور پھر قلمی نسخے تیار کرتے تھے۔ قاضی نظام الدین احمد صغیر نے اپنے ذاتی کتب خانہ کی ایک فہرست تیار کی ہے۔ ہر اک کتاب ماتحت ''بخطِ فقیر'' بخطِ محمد غوث اور ''بخطِ ناصر'' لکھا ہے۔ جس سے مرادان کے پوتے مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر اور فرزند مولوی ناصر الدین محمد ہیں۔ ان کے پرپوتے حاجی ابواحمد حسین، عطاء اللہ اور ناصر الدین عبدالقادر امیر نواز جنگ بہت عمدہ خطاط تھے۔ حسین عطاء اللہ نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب ''تقریب التھذیب'' ۱۲۸۴ھ میں نقل کی ہے۔

اس خاندان کے دوسرے افراد بھی بہت خوش خط تھے۔ ان کی نقل کی ہوئی کتابیں دیوان صاحب باغ میں موجود ہیں۔ مولانا محمد سعید اسلمی نے شاہ عبدالعزیز دہلوی کی کتاب ''تحفہ اثنائے عشریہ'' کا عربی میں ترجمہ کیا تھا اس کا نام ''الصولۃ الحیدریہ'' رکھا۔ اسی طرح سید شاہ عبدالقادر برہان فخری کا دیوان حک واضافہ کے ساتھ یہاں موجود ہے۔ مولانا باقر آگاہ ویلوری، میر اسمٰعیل خان ابجدی، شیخ عبدالحق ساوی، سید شاہ ابوالحسن قربیؔ ویلوری، سید شاہ محی الدین عبدالقادر ذوقیؔ ویلوری، حضرت قطب ویلورؒ اور ان کے مشہور شاگرد وخلیفہ مولانا عبدالحی احقر بنگلوری اور شاہ عبدالغفار مسکینؔ کی لکھی ہوئی کتابیں بھی مدرسہ محمدی میں موجود ہیں۔

آج اندازاً بائیس ہزار (22000) مطبوعہ اور سولہ ہزار (16000) قلمی مخطوطے مدرسہ محمدی کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ مدرسہ محمدی کی بعض کتابیں ایسی ہیں جن کا کوئی نسخہ دوسری جگہ نہیں پایا جاتا۔ یہاں حافظ ابن قیم کی بے نظیر کتاب ''احکام اھل الذمّہ'' کا نسخہ بھی موجود ہے جس کی نقل کہیں موجود نہیں۔ ڈاکٹر صبحی صالح نے ڈاکٹر حمید اللہ پیرس کے ذریعہ جو بزرگانِ مدرسہ محمدی کے خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں اس کتاب کی فوٹو کاپی منگوائی اور پھر اس کو ایڈٹ کر کے دمشق سے شائع کیا۔ یہاں خمسہ امیر خسرو کے بہت عمدہ نسخے ہیں، جیسے گلستان وبوستان کے نفیس مصور نسخے بھی ہیں۔ اسی طرح قرآنی آیات کا نسخہ جو ٹیپو سلطان کے پاس تھا وہ بھی یہاں پر موجود ہے۔

مدرسہ محمدی کے مختلف تذکروں 'گلزار اعظم'، 'صبح وطن'، 'گلدستۂ کرناٹک' اور 'نتائج الافکار' وغیرہ میں بیسیوں ادباء وشعراء وعلماء کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر ان کے متعلق سنین کے ذکر کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا ہے لیکن ان کی تاریخ وفات مولوی عبدالوہاب مدارالامراء کے روزنامچہ میں مل جاتی ہیں۔ جس کو ۱۸۲۱ء سے لکھنا شروع کیا تھا یہ روزنامچہ

مختلف اصحاب کی وجہ سے اب تک جاری ہے اگر ہم کو کسی کی تاریخ وفات معلوم کرنی ہو تو ہمیں ان روزنامچوں کو دیکھنا چاہیے ان میں ان علماء وفضلاء کی تاریخ وفات مل جاتی ہے۔

اس خاندان کا بہت بڑا وصف یہ ہے کہ انہوں نے پرانے کاغذات کو چاک نہیں کیا بلکہ سارے خطوط ایک انگل چوڑی اور پانچ انگل لمبائی کے کاغذات میں لپیٹے پڑے ہیں جن پر مرسل، مرسل الیہ اور خط لکھنے کی تاریخ کا ذکر ہوتا ہے۔ یہ بیسیوں بنڈل میں جمع کر کے رکھے گئے ہیں۔ اگر کوئی بغور ان کا مطالعہ کرے تو یہاں کے سماجی، سیاسی اور علمی حالات کو مرتب کر کے کرناٹک کی ایک مستند تاریخ پیش کر سکتا ہے۔

مولوی محمد غوث شرف الملک جن کے نام سے یہ امانتی کتب خانہ موسوم ہے، نواب کرناٹک عظیم الدولہ بہادر (والا جاہ سوم) کے استاد رہے ہیں اور جب والا جاہ سوم نواب مقرر ہوئے تو ریاست کرناٹک کی دیوانی پر بھی آپ کا تقرر ہوا اس خاندان کے جد امجد، جن کی تاریخ بھی مدرسہ محمدی میں موجود ہے عطاح احمد شافع تھے۔ حالات کے لحاظ سے یہ خاندان نقل مقام کرتا رہا۔ نوابان کرناٹک کے زمانے میں اس خاندان کے افراد نے مدراس میں قیام پسند کیا ان میں شرف الملک کا خانوادہ بھی تھا۔

اس ادب نواز اور علم دوست خاندان نے ہمیشہ اپنی اصلی دولت کتابوں کو سمجھا وہ جہاں جہاں منتقل ہوتے اپنی کتابیں بھی ساتھ لے گئے اور کتابوں کا ہمیشہ تحفظ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک نقل مکانی کے موقع پر کسی ندی میں طغیانی آگئی تھی اور وہ سارا کتابی اثاثہ اور ضروری کاغذات ودستاویز جو ۹۹۵ھ سے پیشتر کے تھے غرقاب ہوگئے۔ محمد غوث شرف الملک کو اپنے والد مولوی ناصر الدین محمد اور دادا قاضی نظام الدین احمد صغیر سے بہت سی کتابیں وراثتاً ملی تھیں۔ وہ خود بڑے عالم تھے اور بہت سی کتابیں خود نقل کئے تھے۔ مولوی محمد غوث شرف الملک کے انتقال کے بعد یہ علمی اثاثہ آپ کے دو فرزندوں مولوی عبدالوہاب اور قاضی بدرالدولہ کے ہاتھوں میں تقسیم ہوا اور اسی طرح آپ کے خانوادہ میں نسل در نسل کتابیں ورثاء میں تقسیم بھی ہوتی رہیں۔ یہ کتابیں پہلے گھروں میں تھیں پھر ایک عمارت تعمیر کرنے کے بعد اس میں منتقل کیا گیا اور اس علمی سرمایہ کو مختلف اصناف میں حسبِ ذیل تقسیم کیا گیا۔

١۔ اہلِ خاندان کی تصانیف:

صدیوں سے مختلف علوم وفنون میں اور مختلف زبانوں میں لکھی گئی کتابیں۔

٢۔ مختلف نوعیت کے مخطوطے:

بے شمار مختلف نوعیت کے مخطوطے جو افراد خاندان صدیوں سے نقل کرتے یا کراتے چلے آرہے تھے۔ سفرو

حضر میں جہاں کوئی مطلوبہ کتاب فراہم ہوگئی اس کو نقل کرتے تھے۔

(ان بزرگوں کو کوئی ناقص کتاب دستیاب ہوتی تو اس کا تکملہ کسی نہ کسی طرح ضروری تھا کتاب غیر تصحیح شدہ ہوتی تو اس کی تصحیح کرلی جاتی، اگر کتاب فہرست مضامین سے معریٰ ہوتی تو اس کی بھی تکمیل کرلی جاتی۔ اس طرح سیاہی خوردہ صفحات کو ازسرنو لکھ لینا، کرم خوردہ مقامات پر الفاظ کا تکملہ، ان سب باتوں کو بطور فرض کے انجام کو پہنچایا جاتا تھا۔ ضخیم کتب کے حصے متعدد علمائے کرام علاحدہ علاحدہ نقل کرتے اور بوقتِ ضرورت سب مل کر استفادہ حاصل کرتے۔)

۳۔ ہر صاحب ذوق خریداری کے ذریعہ بھی اپنے علمی ذخیرہ میں اضافہ کرتا تھا۔

۴۔ کتابیں جو صاحب ذوق کو مصنفوں یا اداروں کی جانب سے عطیہ ملتی رہیں۔

۵۔ مختلف النوع خطوط کے نادر نمونے بھی دستیاب ہیں۔

۶۔ روزنامچے۔

۷۔ سفرنامے وغیرہ۔

کتب خانہ مدرسہ محمدی کا دورہ کرنے والے اکابرین ادب کی آراء ذیل میں درج کی جاتی ہیں جن سے اس کتب خانے کی اہمیت اور افادیت پر روشنی پڑتی ہے:۔

''مدرسہ محمدی کے کتب خانہ کو دیکھنے سے خوشی حاصل ہوئی، اور بعض مخطوطات کے متعلق معلومات ہوئے۔ حقیقت میں یہ ایک نادر کتب خانہ ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔''

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور
مولانا عبدالماجد دریابادی۔)

☆

''کتب خانہ محمدی مدراس میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے یہاں کے قلمی نوادر اور مخطوطات سے قلب ونظر کو مسرور کیا۔ یہاں پر نوادر کا جو مجموعہ ہے وہ صاحب علم وتحقیق کے لئے انمول چیز ہے۔ افسوس کہ فی الحال کما حقہ، استفادہ سے محرومی رہی۔۔۔۔۔ انشاء اللہ دوسری بار یہاں حاضری ہوگی تو استفادہ رہے گا۔''

(مولانا قاضی اطہر مبارک پوری)

''میرے محدود علم و مطالعہ میں کتب خانہ محمدی ہندوستان کا وہ واحد ذاتی کتب خانہ ہے جس میں مخطوطات اور نوادر و نایاب کتب کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ ہے۔ مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مقیم پیرس، کا اس خاندان سے تعلق ہے۔ صدیوں سے یہ خاندان اور اس کے افراد علم و تحقیق کے میدان میں آفتاب و مہتاب بن کر چمکے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ روشنی اب بھی باقی ہے۔''

اسحاق جلیس ندوی

(دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو)

☆

علمائے دین مدرسہ محمدی کے قلمی مخطوطات

مولانا محمد باقر آگاہ (المتوفی ۱۲۲۰ھ):

عربی

۱. تنویر البصیر والبصر فی الصلوۃ علی النبی بذکر السیر

۲. نفالیس النکات فی ارساله علیه السلام الی جمیع المکونات

۳. القول المبین فی ذراری المشرکین

۴. الدر النفیس فی شرح قول محمد بن ادریس (امام شافعی)

۵. النفحته الحنبریه فی مدحت خیر البریه

۶. تلک عشرة کامله هندیه در جواب سبعه معلقه

۷. دیوان غزلیات

۸. شمائم الشمائل فی نظام الرسل مکاتیب عربیه

۹. مقامة حیدرأبایه

۱۰. انته الطریقه لفهم صلوٰة الحقیقة

۱۱. شرح دیباچه ضو

۱۲. القصیدة النوانیة المسماة بجلوة الحقیقت فی المجاز بذکر محاسن حبیب الحجاز

۱۳. اغنا الصفات بابناء المعجز ات ز

فارسی

۱۔سعادت سرمدیہ در وجوب محبتِ محمدیہ

۲۔کشف الغطاع عن الشراط یوم الجزاء

۳۔شرح دیباچہ مثنوی معنوی

۴۔افغان فی شرح غزل اول حضرت خواجہ حافظ

۵۔رسالہ بہ بیتسین اولین تعلق دارد

۶۔رسالہ اتحاف السالک فی شرح کلھا فطر بالک

۷۔بیان دل نہاد شرح رباعی مستزاد

۸۔ایقاظ العاقلین

۹۔ارشاد الجاہلین

۱۰۔نغمہ بے دل نواز

۱۱۔سحر الحلال و ذکر الہلال

۱۲۔جلاء البصایر فی نقص دلائل المناظر

۱۳۔کحل البصایر فی شرح جلاء البصائر

۱۴۔چار صد ایراد بر کلام آزاد

۱۵۔کتاب الرسائل فیما یتعلق

۱۶۔بالامامۃ من المسائل

۱۷۔رسالۃ الاعلان بالاذن عند نقول الغیلان

۲۲۔کمال العدل و الانصاف الدال علی العدول عن الاعتاف

۲۳۔رسالہ النقول فی اقسام الشیعہ دلائل اثنائے عشریہ فی رد بعض ہفوات امامیہ

۲۴۔رسالۂ دیگر کہ با بعض روایات شعیہ تعلق دارد

۲۵۔رسالہ اتم اعلم

۲۶۔رسالہ کہ بہ بیت ذوشہادۃ شد

۲۷۔رسالۃ الحجۃ المنیعہ فی الزام الشیعہ

۲۸۔رباعیات بدیعہ در مناقب شیعہ

۲۹۔عین الانصاف

۳۰۔کمال الانصاف

۳۱۔معذرت نامہ آگاہی

۳۲۔دیوان فارسی

۳۳۔احسن التبین فی آداب المتعلمین

۳۴۔ایسان الناس المعترض علی حدیث القرطاس

۳۵۔دفع الشک فی الفدک

۳۶۔ردقول معترض بر مولوی جامی

۳۷۔سوال و جواب در بیان تقلید شرح

۳۸۔القول المبین فی اثبات سیادت یعسوب المومنین

۱۸۔الاستعاذہ باللہ الواحد القہار عند السماع نہیق الحمار
۱۹۔تبیین الانصاب
۲۰۔توہین اعتاف فیما ثبت فی اخبار الشیعۃ من الاختلاف
۲۱۔ردالکذب علی الکاذب المنکر بشرف المقلب بالصاحب
۳۹۔تحفہ ہر عزیز باتمیز در قصہ غلام وکنیز
۴۰۔ایقاظ النیام للاتمام بمقلد کل امام
۴۱۔احراز الاجر فی اثبات قنوت الفجر
۴۲۔رسالہ در تقلید امام دیگر رسالہ ردوہابیہ

اردو

۱۔گلزار عشق
۲۔خمسہ متحیرہ اوج آگاہی
۳۔مثنوی روپ سنگار
۴۔دیوان قصائد وغزلیات
۵۔وفات نامہ رسول اللہ
۶۔مناجات مولوی باقر صاحب

مولانا محمد حسین بیدری شہید (المتوفی ۱۱ رمضان ۱۰۸ا ھ):

عربی

۱. ازہار الفایحہ فی تفسیر سورۃ الفاتحہ
۲. مختصر کافیہ
۳. عجالۃ الربع
۵. رسالہ اسمائے حضرت محبوب سبحانی
۶. شرح عقاید اسمٰعیل المقری
۷. حاشیہ علی المنہل

فارسی

۱۔عقائد حسینی (نامکمل)
۲۔رسالہ دربیان علم معارف وحقائق
۳۔رسالہ رسم الخط القرآن مجید
۴۔مکتوبات

قاضی بدرالدولہ (المتوفی ۲۵ محرم الحرام ۱۲۸۰ھ):

عربی

۱. ہدایۃ السالک الموطاء الامام المالک
۲. نور العین فی مناقب الحسینؓ
۳. الاربعین فی معجزات سید المرسلینؐ
۴. غینۃ الحساب

۵. رشق السهام افی من صغف کل مسکر الحرام
٦. عمدة الرایض فی فن الفرایض
۷. قفاالعین لمن ابدع بالشین
۸. رسالة فی اثبات کفر هنمنت رائے
۹. رساله اعراب الرب فی اللهم رب هٰذا الدعوة
۱۰. الطارق فی رد المارق
۱۱. رساله فی تعین الصلواة الواسطی
۱۲. شرح حاشیه شرح المواقف
۱۳. رساله فی صوم السته من شوال
۱۴. رسالة قی تحریم الخضاب
۱۵. رساله فی تحریم المتعه
۱٦. رساله فی السیر و مناقب الایمه
۱۷. مناهج البرشاد شرح زواجر الارشاد
۱۸. المصالع البدریه شرح الکواکب الدریه
۱۹. ثبت فی اسانید الاحادیث
۲۰. رساله صغرافی السیر و المناقب
۲۱. مکتوبات عربی
۲۲. حکایات لقمان
۲۳. حواشی صحیح مسلم
۲۴. فهرست احادیث معجم الصغیر

فارسی

۱۔ نورالابصار فی سیر سیدالاسرار
۲۔ ارشادوالضال الی صوم ستہ شوال
۳۔ ردّ فتویٰ مولوی ارتضا علی خان درتلویث مساجد
۴۔ الفیا داجتہاد مستقبل
۵۔ خلاصہ عین المصادر
٦۔ رسالہ دربیان شق القمراول ودوم
۷۔ منہج الصواب فی حکم الغراب
۸۔ فتاویٰ فی الخبز (یعنی نان فرنگی)
۹۔ تکملہ فیض الوہاب شرح خلاصۃ الحساب
۱۰۔ کتاب فقہ شافعہ (تابحث وضو)
۱۱۔ سراج التواریخ
۱۲۔ ردنصاریٰ
۱۳۔ رسالہ درردارتضاء علی خان

اردو

۱۔ نجوم وکواکب

آمنہ بیگم اہلیہ محترمہ قاضی بدرالدولہ (المتوفی ۱۳، ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ):

اردو

۱۔چہل حدیث

مولوی حاجی احمد صاحب ولدِ قاضی بدرالدولہ (المتوفی ۸، ذی الحجہ ۱۳۰۷):

عربی

١ .تخریج احادیث مفوة الصفحرت

٢ .اسمائے الرجال شیوخ محمد بن طاهر المقدمی

٣ .الاربعین من الاولین و الآخرین

۴ .فهرست احادیث متشابه الاسماء

۵ .سر فهرس احادیث اسماء المبهم

٦ .تکمله تلقیح الاسر

فارسی

۱۔ضمیمہ فیض الوہاب درحساب ضرب

اردو

۱۔تاریخ احمدی

۲۔زاد المومنین ترجمہ الاربعین فی معجزات سید المرسلین

۳۔ترجمہ حدیث ولادت

۴۔ترجمہ رسالہ کیفیت مشغولی وذکر

۵۔فتاویٰ صبغیہ

۶۔رسالہ ترکیب شیرنی تحفۃ صلاح حاشیہ توشہ فلاح درمناسکِ شافعی

۷۔تفصیل العلوم درحرمت علم انگریزی

۸۔فہرستِ احادیث مجالس الدنتوری

محمد ابوبکر، ولدِ مولوی عبدالقادر (المتوفی ۸، جمادی الاول ۱۳۲۹ھ):

عربی

۱۔چہل حدیث

اردو

۱۔ترجمہ عوامل

۲۔ترجمہ جمل

۳۔ترجمہ خلاصہ

۴۔ترجمہ شرح عوامل

امۃ العزیز بنت مولوی محمد خلیل اللہ (المتوفی ۲۵، صفر ۱۳۲۲ھ):

اردو

۱۔ ہدایت الناظرین ترجمہ منہاج نووی

۲۔ حالاتِ امام المدرسین حضرت محمد حسین

محمد افضل الدین اقبال ولدِ محمد شرف الدین:

اردو

۱۔ مدراس میں اردوادب کی نشونما (جلد دوم)

۲۔ فورٹ سینٹ جارج کالج اور فورٹ ولیم کالج کا تقابلی مطالعہ

۳۔ اقبال اور مدراس

۴۔ اردونثر کے ارتقاء میں باقر آگاہ کا حصہ

مولانا حبیب اللہ بیجاپوری ولد ملا احمد:

فارسی

۱۔ رسالہ کلمات کفر

۲۔ راحت القلوب

۳۔ شرح حکمت العین

۴۔ حاشیہ شرح چغمنی

۵۔ حاشئے

۶۔ حواشی شرح تجرید

۷۔ مکاشفات

۸۔ بیاض

سید حبیب اللہ ولد قاسم نواز خان:

عربی

۱۔ صغریٰ فی المنطق

اردو

۱۔ ترتیب الصلوٰۃ

حسین عطاء اللہ ولدِ قاضی بدرالدولہ (المتوفی ۳۰ رجمادی الاول ۱۳۲۷ھ):

عربی

۱۔مجموعہ اشعار صحابہ ۲۔مجموعہ خطبہ جمعہ وعیدین

اردو

۱۔ترتیب الصلوٰۃ

ابومحمد خلیل اللہ، ولدِ قاضی بدرالدولہ (المتوفی ۱۷، رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ):

عربی

۱۔شرح مختصر ابی شجاع ۲۔تحفۃ الاطفال

۳۔اربعین ۴۔تحفۃ الوجیز

۵۔انتخاب (ناتمام)

اردو

۱۔عزیز الصرف ۲۔معین الفرایض

۳۔فروغِ دل ۴۔ترجمہ ہدایت الہدایہ

۵۔غنچہ اعراب ۶۔نماز کے آداب

۷۔فتاویٰ سعیدیہ ۸۔مختصر حیات الحیوان

۹۔ہدایۃ الناظرین ۱۰۔کاشت کاری اجناس ہند

۱۱۔مناجات آمنہ ۱۲۔توشہ سواری

۱۳۔مجموعہ مالگزاری ۱۴۔قواعد عطیات

محمد حبیب اللہ ولد محمد خلیل اللہ (المتوفی ۴ر جمادی الاول ۱۳۹۸ھ):

اردو

۱۔تفسیر حبیبی ۲۔ترجمہ اردو شمامۃ العنبر فی ماورد فی الھند من سید البشر

۳۔مشکات ترجمہ

ذاکرہ بیگم بنت محمد فضل اللہ (المتوفی ۱۴۲۳):

اردو

۱۔باقر آگاہ کی شخصیت اور تصانیف

قاضی رضی الدین مرتضٰی ،ولد قاضی محمود کبیر (التوفی ۱۱۰۸ھ):

فارسی

۱۔ تحفۃ الحقیر

سعیدہ بیگم، بنت محمد بہاء الدین:

اردو

۱۔قاضی بدرالدولہ ۲۔عارف الدین عاجز

جناب محمد غوث شرف الملک ولد محمد ناصر الدین (۱۱ر صفر ۱۲۳۸ھ):

عربی

۱.الفوائد الصبغیہ شرح الفرائض الرحبیہ

۲.سواطع الانوار فی معرفتہ اوقات الصلوٰۃ و الاسجار

۳.بسط الیدین لا کرام الابوین

۴.کفایت المبتدی فی فقہ شافعی

۵.زواجر الارشادفی اھل دارالجھاد

۶.ارجوزۃ فی القاب حضرت علیؓ

۷.تعلیقات علی شرح قطر الندی

۸.تعلیقات علی مختصر ابی شجاع

۹.مسائل فی فقہ شافعی

۱۰.کافی مختصر کافیہ

۱۱.حواشی علی قاموس

۱۲.الشافی شرح الکافی

۱۳.نجم الوقادنی شرح قصیدہ بانت سعاد

۱۴.وسایل البرکات شرح دلائل الخیرات

۱۵.جزء فی صلاۃ التسبیح

۱۶.المعات النجوم فی شرح مسلم العلوم

۱۷.الحواد حضرت علیؓ

فارسی

۱۔الیواقیت المنشورہ فی الاذکار الماثورہ

۲۔ھدایۃ الغوی علی المنھج السوی فی الطب النبویؐ

۳۔خواص الحیوان
۴۔رشحات العجاز فی تحقیق الحقیقۃ والمجاز
۵۔رسا کی دررد خواجہ کمال الدین خان
۶۔آمدن
۷۔الفتاویٰ الناصریہ فی فقہ حنفیہ
۸۔زبدۃ العقائد
۹۔سہام الناقرہ فی عیوان الناظرۃ
۱۰۔رقعات در فارسی وعربی
۱۱۔رسالہ درردمسئلہ ممانعت زیارت قبر نبی اکرم ﷺ

اردو

۱۔ترجمہ رسالہ کیدانی

محمد حسین شیریں سخن خان راقم ،ولد شیخ صاحب (المتوفی ۱۹،شوال ۱۳۰۳ھ):

مطبوعہ کتب: ۱۔ اختصار۔

محمد غوث شرف الملک ولد محمد ناصر الدین (المتوفی ۱۱،صفر ۱۲۳۸ھ):

غیر مطبوعہ کتب: ۱۔ترجمہ رسالہ کیدانی۔

غلام محی الدین شائق ولد احمد ابوتراب (المتوفی ۱۲۴۹ھ):

فارسی

۱۔مرج البحرین
۲۔روضہ قدسیان
۳۔دیوان فارسی

اردو

۱۔دیوان اردو
۲۔نگارستان
۳۔قصائد شائق
۴۔رشک بہشت

شاکرہ بیگم بنت محمد فضل اللہ احمد:

اردو

۱۔حیدرآباد کے کتب خانوں میں اردو کتب

مولوی صفی الدین محمد ناصر (المتوفی ۲۳ ررمضان ۱۳۴۶ھ):

عربی

۱. آیات قرآن شریف

فارسی

۱۔خلافت اسلامی (مکتوب امام ربانی مدد الف ثانی کی روشنی میں)

اردو

۱۔تاریخ کرناٹک (ناتمام)
۲۔تاریخ (ناتمام)
۳۔تنقید ترجمہ تاریخ طبری
۴۔تنقید ترجمہ تاریخ کامل
۵۔تنقید ترجمہ تاریخ عبدالحلیم شرر
۶۔تنقیدات کتب
۷۔حیدرآباد میں تبلیغ اسلام از زمانہ آسمان جاہ تا کشن پرشاد
۸۔حیدرآباد میں اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم وسررشتۂ تعلیم کا حال
۹۔مرہٹوں کا عروج
۱۰۔ہندوستان اور دکن کی تاریخ
۱۱۔ہندوستان میں شاہ جہاں کے فرزندوں کا اختلاف
۱۲۔مختصر تاریخ اسلام
۱۳۔بصائر
۱۴۔حشر اجساد آیت قرآن کی روشنی میں
۱۵۔آخری زمانہ کے فتنے اور ہماری سلطنت حیدرآباد
۱۶۔آخری زمانہ کا فتنہ (حجاز سے ترکی سلطنت کا خاتمہ) چشم دید حالات
۱۷۔طریقت نقشبندیہ مجددیہ
۱۸۔امام مہدی آخرالزماں اور ملک ہندوستان
۱۹۔حضور پرنور حضرت آصف جاہ میر عثمان علی خان بہادر کے سفر شملہ کے متعلق ایک فدائی اسلام کے خیالات
۲۰۔تاریخ خاندان

مولوی محمد صادق (المتوفی ۲۸، رجب ۱۳۷۷ھ):

اردو

۱۔فتاویٰ صادقیہ
۲۔مسائل صیام وقیام
۳۔سفرنامہ عراق

ملا علی مہائمی (المتوفی ۸۵۳ھ):

عربی

۱. النور الازھر فی کشف سر القضاء و القدر

۲. مخدومی فقه شافعی الزوارف فی شرح العوارف

۳. استحلاء البصرفی الرد علی استقمهاء النظر لابن المطھر العلی

۴. شرح الخصوص فی شرح انفصوص

۵. ضوء الاظھر فی شرح رسالته الازھر

۶. اجلته التائید فی شرح اولته التوحید

۷، شرح النصوص

۸. انعام الملک العلا با حکام حکم الاحکام

۹. ترجمه لمعات عراقی مع شرح

۱۰. ارادة الدقایق فی شرح مراة الحقایق

۱۱. امهاض النصیحه فی الرد علی طاعن الشیخ الاکبر

۱۲. الم ذالک الکتاب لا ریب فیه ھدی للمتقین (اس آیت کریمہ کے بارہ کروڑ تراسی لاکھ چوالیس ہزار پانچ سو وجوہ اعراب بیان ہے)

مدارالامراء مولوی عبدالوہاب ولد شرف الملک محمد غوث (المتوفی ۵، ربیع الاول ۱۲۸۵ھ):

عربی

۱. الکواکب الدرینه (مختب احادیث مجالیسیه الدینویه)

۲. رساله فی علم الجغرافیه

۳. البدور الغزافی اسماء القراء

فارسی

۱۔ کاشف الرموزات الورقات

۲۔ ترجمہ بعض ابواب اذکار امام نوویؒ

۳۔ سفرنامہ حرمین شریف اول ودوم

۴۔ ترجمہ درود شمائل

مولوی عبدالقادر ولد قادو بھائی (المتوفی ۱۰/ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ):

اردو

۱۔ رسالہ از بیان نماز قصر

۲۔ رسالہ در مناسک

مولوی علی رضا ولد مولوی عبدالقادر (المتوفی جمادی الاول ۱۲۰۶ھ):

عربی

١ .حاشیة الرضائیه فی حل الشافعیه

مولوی عبدالقادر ولد محمد صادق (المتوفی ١٩/ جمادی الاول ١٣٢٧ھ):

عربی

١ .رساله درود

فارسی

١۔شرح حدیث احسان

شمس العلماء قاضی عبیداللہ (المتوفی ١٥، ربیع الاول ١٣٤٦ھ):

عربی

١ .روضته المکله فی حدیث المسلسل
٢ .فوائد عبیدیه
٣ .تکمله جمع الجوامع
٤ .شرح قصیده برده
٥ .الصلوات الطیبات علی خیر البریات
٦ .حاشیه بر شرح تهذیب
٧ .حاشیه رشیدیه بر مناظره
٨ .رساله درود الصلوٰة القرانیه

فارسی

١۔حاشیہ برترغیب التراهیب
٢۔لغات الف لیلیٰ
٣۔نصائح نامہ
٤۔بیاض

اردو

١۔فتویٰ عبیدیہ
٢۔چہل حدیث
٣۔شرح قصیدۂ بردہ
٤۔وضاحتی فہرست کتب فرزندانِ قاضی بدرالدولہ
٥۔ترجمہ شرح بسط الیدین
٦۔شرح دیوانِ مظہر (ناتمام)
٧۔سفرنامہ حرمین شریف

مولوی محمد عبداللہ ولد مولوی غلام عبدالقادر (المتوفی ٢٦/محرم ١٢٦٧ھ):

عربی

۱. اسماء الرجال صحیح مسلم

فارسی

۱۔انوار القدسیہ فی اسماء المحمدیہ

۲۔درالثمین فی شرح اربعین نووی

اردو

مولوی عبدالقادر ولد شرف الدولہ (المتوفی ۱۲، رجب ۱۳۲۴ھ):

فارسی

۱۔گلدستہ قادری

اردو

۱۔ترجمہ اربعین

۲۔تحفۂ قادریہ

۳۔بردمستورات

۴۔احکام مقدورات

۵۔چمنستانِ فطرت

۶۔یادگاری قادری

۷۔ترجمہ تلخیص الاذکار

۸۔ترجمہ عوامل

۹۔سوانح عمری آسمان جاہی

۱۰۔سوانح عمری خورشید جاہ

۱۱۔یادگار سروقار

مولوی عبدالرحمٰن ولد شرف الدولہ (المتوفی ۲۹/رجب ۱۳۵۲ھ):

عربی

۱. درود مرتبہ اعظم جاہ غلام محمد غوث خان رئیس کرناٹک

اردو

۱۔بحث ارکان خطبہ جمعہ

مولوی عبدالسلام ولد محمد عبداللہ (المتوفی ۱۲، ربیع الاول ۱۳۴۹ھ):

اردو

۱۔ترجمہ تحفۃ المجاہدین

۲۔ترجمہ خطوط مسٹر گریبل

۳۔ترجمہ حالاتِ علی گڈھ　　۴۔اخلاق قرآنی
۵۔شمس الامثال　　۶۔دیسی کھیل
۷۔قصہ گوئی　　۸۔حالاتِ میدک
۹۔حالات بیدر　　۱۰۔حالات پونا
۱۱۔سوانح عمری مولوی محمد مرتضیٰ　　۱۲۔حالات امام المدرسین
۱۳۔نواب سالار جنگِ اول کا مفتی محمد سعید خان کا تقرر کرنا حیدرآباد کے عہدہ مفتی پر

مرہٹی:

۱۔قرآن مجید کی تعریف

قاضی محمد عزیز الدین ولد خواجہ بہاء الدین (المتوفی ۲۳، جمادی الاول ۱۴۰۶ھ):

اردو

۱۔گلزار عزیز　　۲۔اربعین عزیز فی مناقب اہل بیتِ اطہار

غلام محی الدین معجز (المتوفی ۲۵رشوال ۱۲۲۵ھ):

فارسی

۱۔مجموعۂ رقعات　　۲۔گلدستۂ اشعار معجز
۳۔مجموعۂ اشعار

غلام عبدالقادر ناظر ولد غلام محی الدین معجز (المتوفی ۴رشوال ۱۲۴۳ھ):

فارسی

۱۔بہارِ اعظم جاہی　　۲۔خلدستان شرح بوستان
۳۔روضہ دلکشا شرح یوسف وزلیخا　　۴۔گلستان نسب
۵۔شرح سکندر نامہ

اردو

۱۔رسالہ قیافہ ناظری　　۲۔روضۃ النساء

عبدالرحمن قسمت خان (المتوفی ۲۷ رمحرم ۱۲۷۷ھ):

فارسی

۱۔ترجمہ عوامل

اردو

۱۔نورالبصر فی مناقب سبط سید البشر ۲۔ترجمہ اربعین نووی

قادر علی احمد علی (المتوفی ۱۱؍رجب ۱۳۹۱ھ):

اردو

۱۔ریاض السلام (پہلا اور دوسرا رسالہ)

قادر علی بیہوش ولد محی الدین احمد خاں (المتوفی ۹، ذی الحجہ ۱۲۵۹ھ):

عربی

۱۔بحر الفوائد

فارسی

۱۔منظومات

اردو

۱۔منظومات

قاضی محمود کبیر ولد قاضی احمد (المتوفی ۷؍ربیع الاول ۹۹۵ھ):

فارسی

۱۔رسالہ تعلیقات قاضی محمود بر معاملات گودہ

قاضی محمود صغیر ولد رضی الدین مرتضی

فارسی

۱۔مختصر مالا بد

مفتی محمد سعید ولد قاضی بدر الدولہ (المتوفی ۱۰ شعبان ۱۳۱۳ھ):

فارسی

۱۔منہاج العدالت ۲۔نور الکریمین فی رفع السیدین القرتیین

اردو

۱۔سرور المبین فی میلاد المرسلین
۲۔رسالہ امتناع نظیر
۳۔احوال سیدنا عمر فاروق
۴۔لغتِ اردو

مفتی محمود ولد قاضی بدرالدولہ (المتوفی ۱۰، جمادی الآخر ۱۳۴۵ھ):

عربی

۱۔شرح حاشیہ عبداللہ یزدی
۲۔حاشیہ علی شاطبیہ
۳۔الفتوحات الرحمانیہ
۴۔المقامات بدریہ فی میلاد خیر البریہ
۵۔رسالہ درباره حضرت مجددؒ
۶۔حاشیہ علی حاشیہ میرزاز ھد علی شرح مواقف
۷۔رسالہ فی المناہی
۸۔تنبیہ المفتون فی الالفرار عن الطاعون
۹۔رسالہ درباره قضاء صوم رمضان
۱۰۔التشریح التلویح
۱۱۔حاشیہ علی نخبۃ الفکر
۱۲۔فتوی درباب ارباب مجددیہ
۱۳۔الجوہرۃ السنیہ فی تحقیق
۱۴۔فتو دار الحرب

فارسی

۱۔اسا در حالات ائمہ
۲۔ترجمہ ہدایۃ الہدایہ
۳۔رسالہ حالات علماء مدراس
۴۔رسالہ در فوائد مختلفہ

اردو

۱۔تتمہ تفسیر فیض الکریم
۲۔فتاوئ محمودیہ
۳۔ریاض المومنین
۴۔خلاصہ الاعراس
۵۔فتوئ درباره انجیل خوانی
۶۔رد سید عبد الجبار
۷۔رسالہ دافع الفقر
۸۔مختصر ابی شجاع

مولوی محمد مصطفیٰ ولد شمس العلماء قاضی عبیداللہ (المتوفی ۲۹ر ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ):

اردو

۱۔سفرنامہ بلادعربیہ

مولوی محمد مرتضٰی ولد مولوی صفی الدین (المتوفی یکم رجب ۱۳۴۳ھ):

اردو

۱۔تفسیر قرآن مجید وھوالھدی الفرقان
۲۔الخلافتِ اسلامیہ
۳۔الفوائدالمرتضویہ
۴۔رحمۃ للعالمین
۵۔ترقیات عہدِ عثمانی
۶۔فرہنگِ الحماسہ
۷۔شمائل ترمذی کے الفاظ کی لغت
۸۔سبع معلقہ کی شرح
۹۔مقامات بدیع الزماں
۱۰۔ہمدانی کے تین مقاموں کی فرہنگ
۱۱۔سفرنامہ
۱۲۔پولیٹکل اکانمی
۱۳۔اردو حکایتوں کا عربی ترجمہ
۱۴۔دیوان متنبی کی شرح
۱۵۔حل لغات العجائب المقدور
۱۶۔اردو درسی کتب کا عربی ترجمہ
۱۷۔درسی کتب کی فرہنگ
۱۸۔دیوان متنبی کی شرح دوم
۱۹۔الف لیلیٰ کے لغات
۲۰۔بیاض اشعار

ڈاکٹر محمد غوث ولد محمد مرتضٰی (المتوفی ۵/رجب ۱۴۰۳ھ):

فارسی

۱۔منظومات حبیب اللہ بیجاپوری

اردو

۱۔ہندوستان کی انگریزی اور فرانسیسی ابتدائی کش مکش میں خاندان انوری کا حصہ
۲۔دفتر دیوانی کے مخطوطات
۳۔جامعہ عثمانیہ اور کتب خانہ سعیدیہ کے اردو، فارسی اور عربی مخطوطات کی وضاحتی فہرست
۴۔مولانا محمد غوث شرف الملک کے خاندان کے خدمات

محمد فاروق ولد حافظ محمد مظہر (المتوفی ۱۱/جمادی الاول ۱۴۰۰ھ):

اردو

۱۔تاریخ انگلستان

قاضی نظام الدین احمد صغیر ولد عبداللہ شہید (المتوفی ۲۲ ؍رمضان ۱۱۸۹ھ):

عربی:

۱۔ابناء الاذکیہ بتجیب الطیب والنساء

۲۔وقائع مہتمہ امیر الامراء نظام الدولہ ناصر جنگ ومجیہ لرفع فساد المظفر الطاگی فی دیار التلنگ

۳۔اکتاب الاعراس

فارسی

۱۔سرور الصدور ترجمہ مزامیر الزبور

۲۔فیض الجلیل فی ترجمہ الانجیل

۳۔فیض الوہاب فی شرح خلاصۃ الحساب

۴۔فتح الوہاب المجید فی ترجمہ القول السدید

۵۔کنوز السعادۃ فی ذکر الایمہ الاثنا عشر

۶۔حصول المیراث بشرح دلائل الخیرات

۷۔رسالہ فی مقدار الکعبہ

۸۔خواص الحیوان

محمد ناصر الدین ولد شمس العلماء قاضی عبیداللہ (المتوفی ۱۷ ؍صفر ۱۳۹۱ھ):

عربی

۱۔تحفۃ المترشدین منتخب حصن حصین

اردو

۱۔معین الطالب

۲۔ترتیب وضوع

۳۔اربعین حدیث مناقب خلفائے راشدین

۴۔تکملہ فیض الکریم

ڈاکٹر ناصرہ بیگم بنت فضل اللہ احمد (المتوفی ۲ ؍ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ)

اردو

۱۔نقشبندیہ تصوف وسلوک

نصیر الدین ہاشمی ولد عبدالقادر (المتوفی ۱۹، جمادی الاول ۱۳۸۴ھ):

اردو

۱۔گلزارنصیری ۲۔حالات بھونگیر ۳۔ترجمہ نامہ خسروان

ہاجرہ بیگم بنت محمد حبیب اللہ (المتوفی ۲۴؍ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ):

اردو

۱۔خلاصۃ الماکولات والمشروبات ۲۔اللہ تعالیٰ کے ہزار نام حروف تہجی کے مطابق

۳۔رسول اللہ کی روزانہ صبح وشام کی دعائیں

صدارت خان محمد عبداللہ ولد قاضی بدرالدولہ (المتوفی ۲۵؍ربیع الاول ۱۲۸۸ھ):

عربی

۱۔فوائدالغوثیہ فی فروغ الشافعیہ ۲۔فیض الباری تخریج احادیث البیضاوی

فارسی

۱۔تحفۃ الاحبہ فی بیان استحباب قتل الوزغہ ۲۔تحفۃ المجبین بمولد حبیب رب العلمین

۳۔کتاب الزجرالی منکرشق القمر ۴۔اوضح المناسک

۵۔مفتاح الصرف

امانتی کتب خانہ شرف الملک، چنئی جنوبی ہند کا ایک اہم مرکز علم وحکمت ہے یہاں کے بزرگوں نے اپنے علمی سرمائے کی جس احتیاط اور خوبی سے حفاظت کی ہے یہ اپنی مثال آپ ہے۔ایک مشکل اب یہ پیش آرہی ہے کہ اس اثاثے کی حد سے زیادہ حفاظت کا ایک منفی پہلو یہ ہے کہ ان نوادارات اور مخطوطوں تک رسائی اہل علم اور خواص کے لئے بھی اب تقریباً غیر ممکن بن کر رہ گئی ہے۔اس طرح کتابوں اور علم کے ذخیروں کا جو مقصد افادے اور استفادے کا ہوتا ہے وہ مسدود ہوکر رہ گیا ہے۔مجھے امید ہے کہ امانتی کتب خانہ شرف الملک، چنئی کے ارباب حل وعقد اس جانب توجہ فرمائیں گے۔

Dr.Amanulla M.B
Assistant Professor
Dept. of Arabic, Persian and Urdu,
University of Madras, Chennai - 600005
Email:amaanmb@gmail.com
Mobile:9841817272

حضرت سید شاہ بدرالدین قادری بیجاپوری المعروف بہ سید بدو شہیدؒ

درگاہ درزمینی پلاورم چنئی تمل ناڈو

مختصر تاریخ

از: حکیم سید شاہ امیر حسینی چشتی القادری
چنئی

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔بنام جھاندارِ جھان آفرین ۔طفیلِ نبئ سید المرسلین

یوں تو اسلام کا اثر اور مسلمانوں کا تعلق جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں پر چیرا، چوزا اور پانڈیا کے دورانِ حکومت سے ہی چلا آرہا ہے۔ یہ تعلق اسلام سے پیشتر کے عرب تاجروں نے اپنی تجارتی صلاحیتوں کے بل بوتے پر پیدا کرلیا تھا۔ وہی تاجر اسلام کو قبول کر کے جب ان علاقوں کو واپس آئے تو یہ مقامی لوگوں نے ان نئے تاجروں کو نئے مذہب اسلام سے مرعوب ہو کر مسلمانوں کے طور طریقوں زہد وتقویٰ سچائی اور پاکیزگی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ کافی مقامی لوگوں نے مذہب اسلام کو قبول کیا اور مقامی راجاؤں نے بھی اپنی قوم کے لوگوں کو اس بات کی اجازت دے کہ وہ اگر اس نئے مذہب کو قبول کئے اور اپنی لڑکیوں کو ان تجارت کرنے والے عربوں کے نکاح میں دینے پر راضی ہوں تو اس میں حکومت کو کوئی بھی اعتراض نہیں ہے۔ اس طرح ملیبار اور تمل ناڈو کے ساحلی علاقوں پر اذانوں کی آواز گونجی اور اسلام کی روشنی دھیرے دھیرے جنوبی ہند میں پھیلنا شروع ہوگئی۔ ان حالات میں ہندوستان کے شمالی علاقوں پر مسلمانوں نے فتح پائی اور مسلمان حکمرانوں کا دورہ شروع ہوا۔

سب سے پہلے محمد بن قاسم نے اپنی ۳۲ سالہ عمر میں ۹۲ھ میں سندھ پر فتح پائی اور پھر ان کے بعد سلطان محمود غزنوی نے ۳۹۲ھ میں گجرات کا علاقہ فتح کیا۔ مگر ان کی فتوحات نے مسلمانوں کا اثر شمالی ہند میں پیدا تو کردیا تھا لیکن حکومت کی داغ بیل قائم نہیں ہوسکی۔ پھر سلطان محمد غوری نے ۵۸۹ھ میں دلّی سے اجمیر تک فتح پائی اور اسلامی حکومت کا سلسلہ شروع ہوا۔ مسلسل کئی حکمرانوں کی حکومتیں دہلی پر قائم ہوتی گئیں اور یہ سلسلہ تقریباً ۳۴۳ سالوں تک چلتا رہا لیکن مضبوط حکومت کی بنیاد صرف مغل بادشاہ محمد بابر شاہ کے فتح دہلی ۹۳۲ھ کے بعد ہی سے قائم ہو پائی اور تقریباً ۳۵۲ سالوں تک مغلیہ سلطنت کا سلسلہ چلتا رہا۔ ان سلاطین کے دورانِ حکومت بہت سے مشہور اولیائے کرام نے اپنے کشف و کرامات سے عوام الناس کو اپنا گرویدہ کرلیا تھا اور خلق خدا کی خدمت کو جاری رکھا۔ ان حکمرانوں سے کئی زیادہ اسلام اگر

پھیلا ہے تو وہ صرف صوفی اولیائے کرام کی بدولت ہی پھیلتا رہا ہے۔ مغل بادشاہ محمد بابر شاہ کی قائم کردہ مغلیہ سلطنت کے دوران بہت سارے اہل اللہ نے دہلی کو اپنا مسکن بنالیا تھا اور قران واحادیث پر چلتے ہوئے شرعی حدود میں رہ کر خلق اللہ کی خدمت کو اولین فرض سمجھا اور ان اہل اللہ کی شہرت اور احترام ہندوستان بھر میں آج تک باقی ہے۔ جب مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے تو انہوں نے ہندوستان میں شرعی حکومت کو قائم کرنے کی بھر پور کوشش کی۔ صوم وصلوۃ کے پابند تو تھے ہی سادہ سیدھا زندگی گزارتے ہوئے انہوں نے سرکاری خزانے سے اپنے ذاتی گھریلو اخراجات کے لئے بھی کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ اپنے ہاتھوں سے قران مجید کی کاپیاں لکھ کر اور ٹوپیاں سی کر انہیں فروخت کر کے جو کچھ ہدیہ ملتا تھا اسی سے گھریلو ذاتی اخراجات پورا کر لیتے تھے۔ ان ساری خوبیوں کے باوجود دہلی کے صوفیہ بزگوں پر پابندیاں عائد کرنے لگے اور مشہور اہل اللہ کی درگاہوں پر زائرین کو روکنے کے لئے پہرہ داروں کو مقرر کیا کہ اندر جانے والوں کو سختی سے روکا جائے۔ دہلی میں اس وقت موجودہ سبھی صوفی بزرگ اورنگ زیب عالمگیر کے اس رویہ سے خفا ہو کر اکثروں نے دہلی سے نکل کر دکنی سلاطین کے پاس پناہ گزیں ہوئے جو تھوڑے بہت باقی رہ گئے تھے انہوں نے بھی اورنگ زیب عالمگیر کے حکم پر صوفی سرمد کو جامع مسجد دہلی کی سیڑیوں پر شہید کیا گیا تو وہ بھی دہلی سے ہجرت کر کے جنوب میں احمد نگر بیجاپور گولکنڈہ اور وجیانگر کی بہمنی سلطنتیں تھیں وہاں بود و باش اختیار کرلیا۔

حسینی سادات کا ایک گھرانہ جو عراق سے ہجرت کر کے مغل بادشاہ شاہجہاں کے دورانِ حکومت میں دہلی آ کر آباد ہو گیا تھا لیکن اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سلطنت میں اس گھرانے کے خاندانی افراد نے دہلی کو خیر باد کہتے ہوئے بیجاپور میں سکونت اختیار کر لی۔ بیجاپور پر اس وقت ابراہیم عادل شاہ دوم کی حکومت تھی اور گول کنڈہ پر عبداللہ قطب شاہ کی۔ اس گھرانے کے دو مشہور بھائی حضرت سید شاہ فرید الدین قادری اور حضرت سید شاہ بدرالدین قادری دونوں کافی اسلامی جوش رکھنے والے جوان تھے بڑے بھائی کی شادی ہو چکی تھی اور چھوٹے بھائی ابھی تک غیر شادی شدہ تھے دونوں بھائی ہمیشہ قرآن پاک کی تلاوت احکام خداوندی پر پوری طرح عمل کرنا اور حضور اقدس ﷺ کی احادیث پر عمل کرنا اور رزق حلال کی طرف توجہ دینا ہی ان کا دستور عمل تھا۔ علاوہ ازیں دونوں بھائیوں نے جنگی مہارت بھی بدرجہ اتم حاصل کر لی تھی۔ ان دونوں بھائیوں کی غیر معمولی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر بیجاپور کے سلطان ابراہیم عادل شاہ دوم نے ان کو اہم عہدوں پر فائز کر لیا تھا اور پورے گھرانے کی عزت کرتا تھا اور انعامات واکرامات سے نوازا کرتا تھا۔ اس دوران انہیں ایک ایسا موقع ملا جس کے ذریعہ انہیں اپنی جنگی صلاحیتوں کا اظہار کرنے کی غرض سے فوج میں شامل کئے گئے۔

میر محمد سعید جو میر جملا کے نام سے بھی مشہور ہیں اور ۱۶۵۶ء میں لاہور کے مشہور جوہری اور مغل بادشاہ محمد شہاب الدین شاہجہاں کے خاص مصاحبوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ یہ نہ صرف تجارتی صلاحیت رکھتے تھے بلکہ علمی اور فوجی مہارت بھی رکھتے تھے ۱۶۶۰ء میں میر جملا نے لاہور کی سکونت ترک کردی اور جنوب دکن کے وسطی شہر گول کنڈہ میں بود و باش اختیار کرلی۔ اُن دنوں گولکنڈہ پر عبداللہ قطب شاہ مشہور سلطان وقت کا دور تھا اور سلطان نے میر جملا کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنا وزیر اعلیٰ اور کل افواج کا سپہ سالار بنا ڈالا۔ میر جملا کی فوجی کارگزاریوں سے متاثر ہوکر مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے انہیں ۱۶۶۲ء کے اخیر میں اپنے بھائی سلطان سلطان شجاع کو بنگال سے تلاش کر کے قید کردینے کی درخواست کو منظور کرتے ہوئے بادشاہ کے ایک فوجی دستے کی کمانڈر کی حیثیت سے قید کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔

پندرہ صدی عیسوی میں یورپ کے پانچ عیسائی ملکوں نے ہندوستان کو اپنے تجارتی اغراض کے لئے براہ راست منتخب کیا۔ اس سے پہلے صرف عرب سیاح ہندوستان کو تجارتی مقاصد کے تحت آیا کرتے تھے اور یورپی ممالک تک ہندوستانی اشیاء کو اور یورپی ممالک سے ہندوستان تک ضروری اشیاء تجارتی طور پر خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔

سب سے پہلے تجارتی غرض سے ہندوستان آنے والے لوگ پرتگالی باشندے تھے۔ پھر دوسرے وارد ہونے والے ڈینمارک (اڈنیش) کے باشندے تھے۔ پھر ان کے بعد ہالینڈ (ڈچ) کے باشندے اور پھر فرانسیسی (فرنچ) کے باشندے اور سب سے اخیر میں آنے والے انگریزی (انگلش) لوگ تھے۔ ان پانچوں غیر ملکی یورپین باشندوں کے اغراض تو ابتداء تجارتی ہی تھے پھر بعد میں چلکر انہوں نے عیسائی مذہب کو فروغ دینا شروع کیا پھر انہوں نے مقامی حکمرانوں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنے کے لئے جنگی ہتھیاروں کو فراہم کرنا اور طرفداری کرنے لگے اور ملک گیری کے منصوبے بنانے لگے۔ ان یورپی ملکوں میں صرف ''ڈینمارک'' یا ڈنیش ہی ایسے لوگ تھے جن کا مقصد صرف تجارتی حد تک میں محدود رہا۔ نہ ہی انہوں نے مقامی لوگوں میں اپنے پروٹسٹ عیسائی مذہب کو پھیلانے کی کوشش کی اور نہ ہی مقامی راجاؤں کو ایک دوسرے کے خلاف لڑنے کے لئے اکسایا۔ ڈینیش ایسٹ انڈیا کمپنی نے مقامی مائیکر راجہ سے ۱۶۲۰ء میں مشرقی ساحل پر ناگور شریف کے قریب ''ترنگم باڈی'(Tranque Bar) خرید کر وہاں اپنے ملک کے باشندوں کے لئے رہائشی مکانات، تجارتی کارخانے اور ایک مضبوط حفاظتی قلعہ بنایا جو آج تک تمل ناڈو کے ساحل پر موجود ہے۔ یہ لوگ ابتداء ہی سے پرامن اور صرف تجارت پر پوری طرح جمے رہے۔

ہندوستان پر سب سے پہلے وارد ہونے والے یورپی لوگ پرتگال کے باشندے تھے انہوں نے مغربی ساحل یعنی

ملیبار کے علاقہ پر مقامی حکمران سے گوا کو خرید کر اپنا تجارتی مرکز اور وقت ضرورت فوجی کارروائیوں کا اڈہ بنالیا۔ پھر ان کی توجہ شمالی ساحل ''میلا پور'' پر پڑی اور انہوں نے مقامی راجہ سے اُس علاقہ کو خرید کر اپنا تجارتی مرکز بنایا۔ تجارتی فیکٹریاں قائم کر لی اور ان کے باشندوں کے لئے مکانات وغیرہ کی سہولتیں کر دی گئیں۔ میلا پور کے علاقہ پر چونکہ اول ہی سے عیسائیت کے اثرات تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ''سینٹ ٹامس'' کو سینٹ ٹامس مونٹ پہاڑی پر مار دئے جانے کے بعد لاش کو لاکر میلا پور کے ساحل پر ایک چھوٹا گرجا بنا کر قریب ہی دفن کر دیا گیا تھا۔ ان پرتگالیوں نے چھوٹے گرجا گھر کو توڑ کر عالیشان گرجا گھر کی تعمیر ''سینٹ ٹامس چرچ'' کے نام سے ڈالا۔ اور مغرب میں مقام ''لز'' پر ایک اور الگ گرجا کی تعمیر ۱۵۱۶ء میں کر دی گئی۔ علاوہ ازیں سینٹ تامس مونٹ پہاڑی پر بھی ایک گرجا اور پادریوں کے لئے رہائش گاہیں بنادی گئیں۔ ان پرتگالیوں کا اقتدار روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک کہ انہوں نے ۱۵۵۵ء میں میلا پور کے ساحل پر ایک مضبوط قلعے کی تعمیر کر ڈالی اور پرتگال سے اس قلعے کو وقتاً فوقتاً جنگی جہازوں کی آمد ورفت شروع ہوگئی اُن دنوں دکن کے وسط میں بہمنی سلاطین کی پانچ حکومتوں کا سلسلہ جاری تھا (۱) گولکنڈہ پر قطب شاہی حکومت قائم تھی (۲) بیجاپور پر عادل شاہی حکومت چل رہی تھی۔ ان پانچ سلطانوں میں یہ دونوں نہایت طاقتور سمجھے جاتے تھے (۳) احمد نگر (۴) بیراو اور (۵) وجیا نگر۔ ان سلاطین کو جب پرتگال کے باشندوں کے نقل وحمل کا پتہ چلا اور ان کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے تشویش پیدا ہوئی تو ان سلاطین نے باہم اتفاق کیا اور ان غیر ملکیوں کو دکن کے مشرقی ساحل سے مار بھگانے کا منصوبہ بنانے لگے۔ پرتگال عیسائی مذہب پھیلانے کے علاوہ مقامی راجاؤں کو ہتھیار فراہم کر کے آپس میں لڑا کر خود ملک گیری کا پلان بنا رہے تھے۔

بہمنی پانچ حکمرانوں میں وجیا نگر کو چھوڑ کر بقیہ چار سلطانوں نے اپنی چاروں افواج کو ملا کر متحد کر کے ایک عظیم الشان فوج کی شکل دی اور اس متحدہ فوج کا سپہ سالار میر محمد سعید عرف میر جملا کو بنا کر جنوب مشرق میلا پور کی طرف روانہ کیا۔

جس وقت بہمنی سلاطین کی متحد افواج کوچ کرنے کی تیاری میں مصروف تھی حضرت سید شاہ بدرالدین قادری ان کے بڑے بھائی اور دیگر خاندانی افراد ان کی والدہ صاحبہ ملازموں اور دوست احباب سبھی اس فوج میں شامل ہوگئے۔ اس طرح اسلامی جوش رکھنے والے اشخاص کے ساتھ افواج نے ۱۶۶۲ء کی شروع میں میلا پور پہنچ کر پرتگالیوں کے ساتھ سخت جنگ چھیڑ دی۔ اسلامی فوج نے فتح پائی قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ بہت سارے پرتگالی جنگ کی تاب نہ لاکر جانیں بچا کر جہازوں پر سوار ہو کر ''گوا'' کی طرف بھاگ نکلے۔ جب قلعہ کا محاصرہ ہو رہا تھا اُس وقت حضرت سید شاہ بدرالدین قادریؒ

اسلامی افواج کا علم تھامے ہوئے تھے۔انہوں نے جب دیکھا کہ پرتگال فوج بھاگ جانے کے بعد بھی قلعہ پر اُن کے ملک کا پرچم ابھی تک لہرا رہا ہے تو ان کا خون کھول اٹھا اور انہوں نے نہایت ہی جوش وخروش اور پھرتی کے ساتھ اسلامی پرچم کو ہاتھ میں لئے ہوئے ''نعرہ تکبیر اللہ اکبر'' کے نعرے لگاتے ہوئے بھاگتے ہوئے پرتگالیوں کو اپنی شمشیر کے گھاٹ اتارتے ہوئے لاشیں گراتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔اور گھوڑے سے کود کر پھرتی سے قلعہ کے بالائی حصے پر چڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ چھت پر پہنچ کر اپنی تلوار کی ضرب سے پرتگالیوں کے پرچم کو کاٹ کر پھینک دیا اور اسلامی علم کو نسب کر دیا۔ابھی وہ واپس جانے کے لئے پلٹے ہی تھے کہ پیچھے سے ایک پرتگائی فوجی نے جو وہاں پر چھپا بیٹھا تھا اپنی تلوار سے حضرت کی گردن پر ضرب لگائی اور حضرت کا سر مبارک کٹ کر نیچے گر پڑا۔آپ نے جھک کر اپنے کٹے ہوئے سر کو اپنے ہاتھوں میں اٹھالیا اور قلعہ کی دیوار کو پھاندتے ہوئے قلعہ سے نیچے اتر آئے اور اپنے گھوڑے کی پشت پر چھلانگ لگا کر بیٹھ گئے۔نیچے سے ان کے دوسرے ساتھیوں نے قلعہ پر چڑھ کر اُس پرتگالی فوجی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حضرت کا گھوڑا مع آپ کے جسد اور کٹے ہوئے سر کو لے کر جنوب کے جنگلات کی طرف سرپٹ ڈورتا چلا گیا۔پیچھے آپ کے بڑے بھائی آپ کی والدہ دوسرے رشتہ دار احباب نوکر وغیرہ جو آپ کے ساتھ خاص لگاؤ رکھتے تھے سبھوں نے اپنے گھوڑوں کو آپ کے پیچھے دوڑایا۔اُن کا پالتو رکھوالی کا کتا جو وہ بھی آپ کے ہمراہ بیجاپور سے دوڑتا ہوا پیچھے ہولیا۔یہاں تک کہ جب آپ کا گھوڑا ''زمین پلاورم'' پہنچ کر ایک مخصوص جگہ پر رک گیا اور آپ کا جسد اور سر مبارک دونوں زمین پر ڈھل گئے۔اور ان کے کٹے ہوئے گلے سے صاف الفاظ میں آواز نکلی جس کو ان کی والدہ بڑے بھائی اور دیگر افراد نے سنا ''میرے لئے یہی آخری مقام منتخب ہے مجھے یہیں دفن کردو''۔حضرت شہید ہونے سے ایک دن پہلے اُس زمین کا مالک جو غیر قوم تھا رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت بدوح شہیدؒ فرمارہے ہیں کہ میں تیری زمین پر آنے والا ہوں اور وہی میری آخری ٹھکانہ ہوگا۔تجھے ابھی تک اولاد نہیں ہوئی ہے اب تجھے ایک نرینہ اولاد ہوگی۔وہ غیر قوم جس کی وہ جگہ تھی عقیدت کے ساتھ اُس زمین کو حضرت کے نام وقف کر دیا۔نواب آف آرکاٹ محمد علی والا جاہ نے بعد میں چل کر حضرت کی مزار مبارک کے اطراف واکناف فصیل تعمیر کیا اور ایک فصیل درگاہ ایک مسجد بھی تعمیر کر دی۔

سب متعلقین نے نہایت کفِ افسوس ملتے ہوئے آپ کی اس عظیم قربانی سے متاثر ہو کر نا قابل برداشت غم کو سہتے ہوئے اُنہیں اُسی مقام پر دفن کر دیا۔اُسی مقام پر ان کی درگاہ بنی ہوئی ہے۔اُن کی والدہ صاحبہ اور دیگر احباب نے بھی جو ان کے ہمراہ آئے تھے درگاہ کے اطراف واکناف اپنے رہائشی مکانات بنا کر اپنی زندگی کے آخری ایام تک وہیں گزار کر وہ

لوگ بھی وہیں دفن ہوئے ہیں۔حضرت کا گھوڑا اور کتا بھی درگاہ کے باہر سپرد خاک کئے ہیں۔حضرت کا اس طرح شہید ہونا چاروں بہمنی سلطانوں کے دلوں پر کافی اثر انگیز ثابت ہوا۔چاروں سلاطین کی متحدہ افواج نے آپ کے جنازے میں شرکت کی۔سپہ سالار میر محمد سعید عرف جملا نے آپ کی شہادت پر آپ کو سہاتے ہوئے کہا کہ وہ ہمیشہ اپنے جداعلیٰ سیدنا امام حسین شہید دشتِ کربلا کی طرح شہادت حاصل کرنے کی جستجو میں رہا کرتے تھے۔اللہ نے ان کی دعا قبول کرلی۔چاروں علاقوں کے لوگ آپ کے سالانہ فاتحہ خوانی میں آیا کرتے تھے۔حکومتوں کے زوال کے بعد مغلیہ بادشاہ اورنگ زیب کے آرکاٹ کے صوبیدار نواب سعادت اللہ نائطی اور پھر بعد میں محمد علی والا جاہ نے آپ کے سالانہ فاتحہ خوانی عرس صندل وغیرہ میں شریک کیا کرتے تھے۔

آپ کے بڑے بھائی حضرت سید شاہ فریدالدین قادریؒ نے بھی بعد میں ہونے والی جنگ میں شامل ہوکر شہادت پائی اور آپ کو ''کوٹو پورم'' میں ایک پیپل کے درخت کے نیچے دفن کردیا گیا تھا ان کی بھی وہاں درگاہ بنائی گئی ہے۔

آرکاٹ کے نوابوں کا اقتدار ختم ہونے کے بعد انہیں کے خاندان کے نواب فخرالدین خان بہادر جو ہمیشہ حضرت بدو شہیدؒ کی درگاہ میں حاضری دیا کرتے تھے۔ان کو ان کی گھریلو پریشانی دور ہونے اور سکون قلب حاصل ہونے پر انہوں نے اپنی جائیداد میں کا بیشتر حصہ جس میں ''امین پلاورم''، ''ہستی ناپورم'' اور سعید آباد شامل ہیں حضرت کی درگاہ کے نام کردیا تھا۔حضرت کا سالانہ عرس مبارک اور آپ کے بھائی کا بھی ۹ اور ۱۰ جمادی الاول کو ہوا کرتا ہے۔مقامی عوام جن میں ہر قوم کے آدمی شامل ہیں شریک ہوا کرتے ہیں۔حضرت کی یہ شہادت اسلامی جوش اور ولولے کا اظہار کرتی ہے۔

تحقیات کی بنیاد :

(۱) شجرۃ الانساب مصنف مولانا مولوی سید شاہ مرتضیٰ حسینی چشتی القادری ولی اللہ تر پاتور (۱۷۶۰)

(۲) تزکیہ والا جاہی مصنف برہان ابن حسین ترچی (۱۷۸۱)

(۳) بہار اعظم جاہی مصنف غلام عبدالقادر ناظر چنئی (۱۸۵۳)
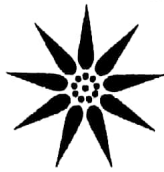
ولی اور ولایت

از: سید سراج الدین محمد سقاف تعظیم ترک قادری شطاری
عرف سید عصمت پاشاہ سقاف
درگاہ شریف، کلہ، ویاچدمبرم، تمل ناڈو

بعض حضرات ولایت اور اولیاء کے منکر ہیں کبھی تکلیفاً اقرار بھی کر لیتے ہیں لیکن ان کا یہ اقرار بھی انکار کے دغدغہ سے خالی نہیں ہوتا اس لحاظ سے ولی کی تعریف دو طرح سے کی جاتی ہے۔

(۱) ایک گروہ کا کہنا ہے کہ جو شخص مشترع ہو، عالم ہو، اولیاء اور اصفیا کو اپنے جیسا کہا کرے اور ان کو امتیازی درجہ دینے پر راضی نہ ہو اور ان کی زیارت کا قائل نہ ہو اتفاقاً زیارت کرنا ہی پڑ جائے تو صاحب مزار کی نجات کے لئے دعا گو ہو اور خود ان سے استمداد نہ کرے کہ اس کی یوں تاویل کرے کہ چونکہ ہم زندہ ہیں اور صاحب مزار مردہ۔لہذا مردہ زندہ کی دعا کا محتاج ہے وغیرہ۔

(۲) دوسری جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جن کا خیال یہ ہو کہ ہم لاکھ سر پھوڑیں علم پڑھ لیں لباس وضع قطع کا بنالیں ۔دن رات رکوع وسجود میں مشغول اور تسبیح گرداں رہیں ان سب سے کچھ نہیں حاصل ہوتا یہ سب ظاہری دکھاوا اور زبانی جمع خرچ ہے جب تک کہ خدا والوں سے سچا تعلق نہ ہو اور ان کے نور سے اکتسابِ نور نہ کیا جائے مقبول بارگاہِ الٰہ نہیں ہو سکتے۔ان زندہ جاوید ہستیوں کے مزاروں پر حاضر ہوں تو ان کو بھی مقبولِ خدا سمجھیں اور ان کو نجات یافتہ خیال کرتے ہوئے خود کو عاسی ودرماندہ ولاچار تصور کریں۔خدا سے مغفرت کے خواہاں ہوں اور صاحب مزار سے شفاعت کے امیدوار اور ان کے نور کے جویاں یعنی جن کو خدا کے لئے اہل اللہ سے سچا تعلق ہوگا گذشتہ وآئندہ تمام اولیائے کرام سے تعلق کی بناء پر قلب مصفیٰ ہو گیا ہوگا۔مزید برآں ان سے کرامات کا بھی صدور ہو اور لوگ بھی ان کی جانب مائل ہوں جن کی صفات ایسی ہونگی وہ خدا کے ولی ہیں۔

اولیاء کی تعریف میں دونوں کے خیالات ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔پہلا فرقہ اپنی دلیل میں ایاك نعبد و ایاك نستعین سنارہا ہے تو دوسری جماعت الذین انعمت علیھم دہرارہی ہے۔پہلا فرقہ اپنی طئے شدہ یہ خیال سناتا ہے کہ خدا والوں سے کٹ کر خدا سے جڑنا ہی صراط مستقیم ہے۔یعنی خوشنودیٔ رب حاصل کرنے کے لئے خدا والوں سے تعلق کی مطلق ضرورت نہیں ہے صرف عمل درکار ہے عمل۔

دوسری جماعت مسلک اور عمل کے ساتھ ہی ساتھ شخصیتوں کی وابستگی کو لازمی قرار دیتی ہے۔ویزکیھم کی دلالت سے تا بآخر شخصیت و مربی کی ضرورت ثابت کرتی ہے۔علی الاعلان بلاخوف لومۃ الائم کہتی ہے کہ بزرگانِ دین کی ظاہری و باطنی امداد واعانت بھی اس معاملہ میں ضرور درکار ہے۔سنت وحکمت الٰہی بھی یہی ہے اور یہ جماعت یاد دلاتی ہے کہ سب سے پہلا،سب سے بڑا بزعم خود موحد شخصیت پرستی کا انکار کر کے ہی مردود بارگاہ ہوگیا۔حالانکہ وہ ایاك نعبد و ایاك نستعین کا پکا حامل تھا۔خود اس کی ضدا سے لے ڈوبی۔قرآن شریف میں اس کی انانیت وغرور پر متعدد جگہ صاف صاف بیان سنا کر دین خدا کے پیروؤں کو نور خدا کے حاملین کے آگے جھکنے اور ادب اختیار کرنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔اسی سلسلہ میں محبانِ ذاتِ باری سے تعلق قلبی کی تاکید پر ذیل کی آیت ملاحظہ فرمائیے۔واصبر نفسك مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یُریدون وجھه ولا تعد عیناك عنھم ترید زینت الحیوۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا واتبع ھواہ دکان امرہ فرطا سورۃ الکھف ع۴

ترجمہ اور اے حبیب اپنی جان ان سے مانوس رکھ جو صبح شام اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں۔کیا تم دنیا کی زندگی کا سنگھار چاہو گے اور اس کا کہنا مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

اس آیت میں واصبر نفسك اپنا دل ان سے لگاؤ یریدون وجھہ اسلئے کہ وہ اس کو چاہتے ہیں من اغفلنا قلبه عن ذکرنا یعنی لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں کہ نہ فقط اس کی یاد سے غافل ہیں بلکہ غور کر کے دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ ان کی غفلت اتنی خطرناک حد تک پہنچ چکی ہے کہ خدا والوں ہی سے ان کو بیر اور کد پیدا ہوگئی ہے۔حالانکہ ان کو ان سے محبت ہونی چاہئے۔

بہرحال اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امت مرحومہ میں ایسی شخصیتیں بھی ضرور ہونگی جن کی زندگی کا دارو مدار ہی دیدارِ یار کی بے پناہ تڑپ اور ان کا مقصودِ زیست ہی اس کی رضا جوئی اور خوشنودی ہوگا،یہی لوگ ہیں جن پر انعمت علیھم کا انعام نازل ہوگا۔رب کی رحمت ان پر سدا برستی رہے گی۔یہی ہستیاں قدر وافتخار کی مستحق ہیں ان سے قلبی تعلق رکھو تاکہ تم کو ان سے نعمت حاصل ہو۔اکتسابِ نور کے لئے اپنے قلب کو ان سے وابستہ کرو اور ان سے ایسا گہرا تعلق قائم رکھو کہ اس کا ٹوٹنا تو رہا کمزور بھی نہ ہونے پائے۔ولا تعد عیناک عنھم ان کے بالمقابل دوسروں کو خاطر میں نہ لاؤ یہ ہے قرآنی فرمان۔اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو ان کی حرمت کو نگاہ میں نہ رکھے اور ان کی تحقیر کا درپے ہو اس کو دھتکار دو اس کی باتوں پر کان نہ دھرو۔وہ اپنی زبان سے نیک مقصد کا اظہار کیوں نہ کرتا ہو کیونکہ جس کی زبان و بیان تحریر و تقریر حرکات وسکنات سے اہل اللہ کے ساتھ دشمنی ٹپکتی ہو تو خواہ وہ اپنے کو دین دار ہی کیوں نہ کہا کریں۔اس کی دینداری مشتبع اور مجروح

ہے۔اس آیت سے یہ بھی روشن ہوتا ہے کہ دین کے پردے کے اوٹ میں اللہ کے پیاروں کے دشمن بھی ہوتے ہیں ۔چنانچہ عزازیل نے بھی دینی مسئلہ پر عمل کر کے ہی آدم کو حقیر جانا تھا اور اس کا عزم تھا کہ خدا کے آگے جھکنے والی پیشانی کو آدم کے آگے نہ جھکاؤں گا۔ایسے لوگوں کے دل میں حبّ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ بغض معاویہ سے پر اور گندے ہوتے ہیں۔حبّ میں کمی ہوتو ہو لیکن ذرا بھر بغض ناسزا اور ایمان لیوا ہے۔ان کے اس خیال کے علی الرغم کہ پراگندہ مئو بوسیدہ لباس غم آلود چہرے اشک بار آنکھیں بظاہر بے بس و ناتوان فقرا کی ہم کو کیا ضرورت ہے کہ ان کو منایا جائے اور ان کے قلب کو ٹھیس نہ پہنچائی جائے تو اس کے جواب میں لا تعدعیناک عنھم یعنی ان عاجز و بے کس فقرا سے تمہار قلب لگا رہے اور ان فقیروں پر سے تمہاری نظریں نہ ہٹنے پائیں فرما کر ان منکرین کے کدورت بھرے دلوں کی تہہ میں پوشیدہ حسد اور فتنہ باز زبان کا راز فاش کر دیا ہے گویا اگر تم ان کے مدمقابل آتے ہو تو تمہاری نیک و کاری کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔کہاں خدا کا یہ حکم کہ ان میں رہو اور ان کی قدر کرو اور ان سے جدا مت ہو جاؤ اور ان سے بعُد اور قلبی نفرت غضب خداوندی کا باعث ہے اور کہاں یہ پروپگنڈہ کہ کلمہ اور نماز اور عمل صالح کافی ہیں۔اور کسی ولی سے ملنا ملانا سب عبث بلکہ خلاف دین ہے۔یہ آیت تشکیک و ابہام کی ظلمت میں گرفتاروں کو تصدیق و یقین کے بلند درجے پر پہنچانے کے لئے مشعل ہدایت بنی ہوئی ہے اور کجرو ہدایت یافتوں میں خطِ امتیاز ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مستند اولیائے کرام کی تالیفات سے چند اقتباسات بھی پیش کر دئے جائیں تا کہ حق واضح ہوتا چلا جائے۔چنانچہ مقدس ہستی ولی فقیر صاحب دل کی قدر و منزلت کے بارے میں حضرت شیخ سید احمد کبیر رفاعی قدس سرہٗ فرماتے ہیں

”عزیز من! ان غریب (منکر) علماء سے بھی پوچھو کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے شہروں میں کوئی ایسا شخص رہے جو زبردست کرامتوں سے گمراہوں، منکروں، اسلام کے مخالفوں کو دبادے اور مغلوب کر دے۔جن کو دیکھ کر مخالفین اسلام خود ہی بول اٹھیں کہ واقعی اسلام سچا ہے۔بحث و تکرار کی نوبت ہی نہ آئے۔کیا تمہارا دل یہ چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی زبان کا سلسلہ بند ہو جائے۔کیا تمہارے نفس یہ چاہتے ہیں کہ معجزاتِ نبویہ کی سلطنت جاتی رہے۔اگر تمہاری یہی تمنا ہے تو اپنے ایمان کی خیر مناؤ۔اگر نہیں تو بتلاؤ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی ترجمان کون ہے؟۔اور حضور کے معجزات کا نمونہ کس کے پاس ہے۔تمہارے؟ یا صوفیاء کے؟ اگر یہ نہ رہیں تو حضور کے روحانی اور باطنی کمالات کا نمونہ دنیا کو کون دکھلائے گا۔یوم لا یخزالله النبی والذین امنو معه نورهم یسعی بین ایدهم و بایمانهم (حم سجدہ) گواہی دے رہی ہے کہ نبوت احمدیہ کی یہ باطنی زبان اور سلطنت محمدیہ ہمیشہ باقی رہے گی اور آیت نحن اولیاء کم فی الحیوة الدنیا و

فی الاخرۃ (التحریم) ان حقائق کے دوام بقا کو ثابت کر رہی ہے (البیان المشید'' ترجمہ البرہان المویدص ۱۵۲)

اس مضمون میں حضرت رفاعیؒ نے کھل کر حق کو واضح کیا ہے۔ کسی کو اگر علم ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ حجاب بھی رفع ہو جاتا ہے۔ اور روحانی کمالات کا ترجمان اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی نمونہ بردار ایک جماعت امت میں موجود رہتی ہے اور رہنی چاہئے۔ ان کی علامت یہ کہ جس طرح آخرت میں خدا ان کی مدد کریگا اسی طرح اس فانی دنیا میں بھی پروردگار ان کا مددگار ہے کہ زندگانی دنیا میں اور بعدِ وفات بھی لگاتار ان سے کرامات صادر ہوتے ہیں۔ آپ کی اس بات کا انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے جبکہ تمام عالم میں اولیاء اللہ کا ڈنکا بجا ہوا ہے۔ منکرین کو کھلے بندوں اقرار کرنا چاہئے کہ رسول اللہ کی روحانی زبان اور معجزات بنویہ کے علمبردار ہم ہی ہیں۔ نور میں غرق رہنا اوروں کو نورانی بنا دینا پے در پے کرامات کا صدور ہم سے ممکن ہے اگر یہ باتیں ایسی صفات خود میں نہ ہوں تو قائل ہو جانا چاہئے کہ اس کے اہل اور حامل مخصوص افراد امت ہیں جن کو نفوس قدسیہ کہنا بجا ہے۔

آپ کے مضمون کے آیت اول میں آمنو کے ساتھ معہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نرا ایمان ناکافی ہے شخصیت وذاتِ محمدیہ کا جب تک غلامانہ پیچھا نہ کیا جائے چنانچہ جہاں رسول کی غلامی کا سوال پیدا ہوتا ہے یہ حضرات جھٹ کترا جاتے ہیں کہ کہیں ان کے پاک وصاف کپڑوں پہ میل نہ آجائے۔ بزرگانِ دین تو بقول شیخ سعدیؒ۔

من و دستِ دامانِ آلِ رسول

آلِ رسول کی دامن گیری ضروری سمجھتے ہیں۔ داماں گرفتن کامل الایمان ہونے کی ایک زبردست شرط بتاتے ہیں۔ اُمۃ محمدیہ اسکی قائل رہی ہے، تا قیام قیامت قائل رہے گی۔ زمانۂ حاضرہ کے حکیم الامت مفکر اعظم علامہ اقبال کا بھی یہی کہنا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی غلامی کا اظہار دیکھئے کس فخریہ انداز میں ہوتا ہے۔

از ولائے دود مانش زندہ ام ۔۔۔ در جہاں مثلِ مہر تابندہ ام

زمزم ار جوشد ز خاکِ من از وست ۔۔۔ مئی اگر ریزد ز تاکِ من از وست

اقبال اپنی روحانی زندگی اور باطنی بالیدگی کو خاندانِ علی کا تصدق تصور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ میں کوئی نیکی پاؤ یا کوئی خوبی دیکھو تو جان لو کہ یہ دومانِ علی کے در کا فیض اور تصدق ہی ہے۔ کہاں مومنوں کے یہ آئین وطریق اور کہاں خدا کے پیاروں پر حرف گیری، خطا جوئی کا بدترین سلوک۔ ہر امر ہم میں پیچیدیاں پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ چنانچہ اسی طرح روحانی تفوق استمداد از انبیاء واولیاء اور ان کی فیض رسانی وکرامات کا انکار بعض علم کے علمبرداروں کی جانب سے بھی ہوا کرتا ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات اور یہ ان کی الجھی ہوئی روش اور پیچیدگی ہے۔ ان نام نہاد علماء کی دخل اندازی کے

باوجود نیک نفوس ہمیشہ اولیائے امت کے گرویدہ اوران سے فیض جویاں ہورہے ہیں اوراپنے ایمان واعمال پرتکیہ کرنے کی بجائے شفاعت مصطفیٰ کے خواہاں ہیں۔ مسلمانوں کے اس طرزِ ایمانی اور اسلامی رویہ کو بعض علماء بری نظر سے دیکھتے اورسخت تنقید کرتے ہیں۔ چنانچہ ان علماء کے عقیدے بھی دیکھتے چلئے کہ وہ کیا ہیں۔ یہ بات کہ ''قرآن نے ایک علمِ باطن بھی دیا ہے جس کے حامل ہر دور میں صرف چند نفوس قدسیہ ہی رہے ہیں اور انہی کے ذریعہ سے یہ علم ہر دور کے مخصوص حاملین کوسینہ بہ سینہ منتقل ہوا ہے، ہمارے نزدیک (ہم علماء) یہ بات بالکل غلط ہے

اسرار وحکم کے اس خزانہ پر کسی خاص گروہ کا اجارہ نہیں ہے۔ اس خزانہ سے بقدرِ صلاحیت ہر ایک بہرہ ور ہوسکتا ہے''۔ یہ ہیں علماء کے قران وحدیث سے استنباط کردہ بلند خیالات۔ ان لوگوں کی داد دینا بڑی بے دادی ہوگی۔

واہ کیا خوب اور کیسے پیارے خیالات ہیں... کہا یہ جارہا ہے کہ بقدر صلاحیت ہم کو بھی بہت کچھ حاصل ہے نہ کسی کے سینے سے ہم نے سینہ لگایا، نہ کسی مقدس بندے کے آگے سرنگو ہوئے۔ مگر چونکہ صلاحیت ہم میں ہے اس لئے قرآن سے بڑا فیض ہم نے پایا ہے۔ یہ ان کا نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ چودہ سو سال کا عرصہ اس بہرہ وری پر ہورہا ہے۔ آج تک اس خزانہ (گنج مخفی) کا پتہ تو وہ کیا دیتے نمونۃً اس میں ذرہ ہی سہی ایسے منکر علماء پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اسی صلاحیت کا نام ہے نفسِ قدسی۔

نفسِ قدسی کے حامل گنے چنے ہی ہوتے ہیں۔ نفس کے قدسی بننے کے لئے معدن نبوت کے اقرار کے ساتھ مخزن ولایت کی غلامی کا قلادہ بھی اپنی گردن میں آویزاں کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اسی سے گریز کیا جارہا ہے کہ بزعم خود مشرک نہ بننا پڑے، اس پر اعتراض بھی وارد کیا جارہا ہے اور رونا بھی رویا جارہا ہے کہ علم باطن مخصوص حاملین ہی کو کیوں؟ پھر باور بھی کیا جارہا ہے کہ ایک بہرہ ور ہوسکتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ ان کے نفوس قدسیہ ہیں۔ بالفاظ دیگر ان میں اخذ کی صلاحیت ہے۔ اگر ان علماء کا نفس بھی قدسیہ ہوتا تو ذاتِ نبوی اور طبقۂ مخصوصین کا انکار ان سے کیونکر وقوع میں آتا۔

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

قال را بگزار مردِ حال شو زیرِ پائے کاملے پامال شو (مولانا رومؒ)

یہ چند سطور بطور جملہ معترضہ آگئیں۔ کہنا یہ ہے کہ یہ حضرات علمِ ظاہر کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور علم باطن سے روکنے کے لئے بہت سے ہتکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ طرح طرح سے اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں اس کے خلاف دھڑا دھڑ کتابیں تالیف کرتے اور مدرسے چلاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جس طرح علم باطن کی تردید اس کے ہمناؤں کو بے حسی لگتی ہے اس طرح علم ظاہر کی کسمپرسی لا حاصلی تحقیر بے فیضی کی تقریر منکرین کو یقیناً بری لگے گی مگر کیا کیا جائے ان پر چوٹ کرنے کی غرض سے نہیں ضرورتاً احقاق حق کو مدنظر رکھ کر علم ظاہر کی بے وقعتی کو پیش کرنا ہی پڑتا ہے۔

اب لیجئے علم ظاہر حضرت سیدنا سلطان باھوؒ کا وارد کیھئے'' جسے کہ اللہ کافی ہے اسے کافیہ شرِ ملا کی ضرورت نہیں جسے خدائے تعالیٰ ہدایت کرے وہ ہدایہ وکنز الدقائق کا محتاج نہیں جو شخص خدا سے واصل ہے اس کے نزدیک تحصیل علم صرف ونحو واصول منطق لا حاصل ہے۔

ما مقیمان کوئے دلداریم رُخ بدنیا و دیں نمی آریم

اور آگے فرماتے ہیں علماء اہل کتاب ہیں اور فقر اقطب الاقطاب علماء سطر و حروف اوراقِ کتب کے مطالعہ میں رہتے ہیں اور فقراء توحید و عشق و محبت حقیقی اور مقامِ فنا فی اللہ میں غرق رہتے ہیں'' (حجۃ الاسرار ص ۲۲)

نقارے کی چوٹ پر دوسرے ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔ ''علم ظاہری سر بسر سر دردی اور محض قیل وقال ہے اکثر علماء علمِ اعظم نہیں جانتے نہیں پہچانتے اسلئے کہ ان کا وجود اسمِ اعظم کی عظمت سے خالی ہے۔ اس اعظم وجودِ بے عظمت میں اثر نہیں کرتا اگر چہ اسے کوئی جان لے اور پڑھا بھی کرے اسی طرح اسمِ ذات وجود پلید میں تاثیر نہیں کرتا چونکہ اس کے دل میں حبِ دنیا ہے اسی لئے اس کا اثر نہیں ہوتا۔ (ص ۲۹) اسی کتاب کے ص ۱۲ پر مابین فرق پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ فقراء اور علماء میں کیا فرق ہے؟۔ فقراء ہمیشہ ذوق وشوق غرق واستغراق میں رہتے ہیں اور علمائے تحقیق مسئلہ و بحث و مباحثہ میں علوم وفن و مسئلہ و مسائل قبر سے جدا ہوتے ہیں اور یادِ الٰہی ہمیشہ کے لئے فقراء کے ہمراہ ہوتی ہے اور قبر میں بھی اس کا رفیق بنتی ہے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ علماء وفقہا سلاطین وامرا کے ہم نشین ہوتے ہیں مگر فقراء خدا کے ہم نشین ہیں''۔ اسی موقع پر کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

رباعی

عشق را بوحنیفہ درس نگفت شافعی را در روایت نیست

حنبل از کانِ عشقِ بے خبر است مالکی را در روایات نیست

ہمنشین خدا اہل اللہ کی فضیلت میں موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ ایسا ہے کہ نفس مضمون اسے ذریعہ نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ نقل ہے کہ موسیٰ سیر کے لئے نکلے وہاں آپ نے ایک جماعت کو دیکھا کہ بے حد لاغر ہو گئے ہیں اور زار وقطار رو رہے ہیں۔ آپ نے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ دوزخ کے خوف سے ہمارا یہ حال ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جہنم مخلوق ہے اور تم مخلوق سے ڈرتے ہو؟.... اور آگے روانہ ہوئے وہاں بھی ایک جماعت کو ایسی ہی حالت میں پایا ۔ دریافت فرمانے پر انہوں نے کہا کہ جنت کی امید میں ہم یوں پریشان حال ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم بھی مخلوق ہو اور وہ بھی۔ پھر تعجب ہے کہ تم کو اس کی اتنی آرزو ہے، آپ وہاں سے بھی آگے بڑھے اسی طرح کی ایک اور جماعت کو دیکھا ان کی شکستہ حالی کا سبب بھی دریافت فرمایا تو انہوں نے جواباً عرض کیا کہ برائے حصولِ حق یعنی حق تعالیٰ کی آرزو میں ہمارا یہ

حال ہو گیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے دعا دی کہ خدا تم پر رحمت نازل کرے۔ اور ان میں بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ تم میں بیٹھنے کا خدا نے مجھے حکم دیا ہے''۔

اس واقعہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے اس واقعہ کے ذریعہ فقراء کی فضیلت بھی ثابت ہوئی اور ان میں شریک ہونے کا حکم ربانی بھی ظاہر ہوا۔ یعنی ربط۔ اسی رابطہ کو قران مجید میں واصبر نفسک کے حکم سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی کو کہیں کونو مع الصادقین کہا گیا ہے اور ایک جگہ ورابطو فرمایا گیا ہے۔ اس ربط القلب ہی کو کہیں معیت اور کسی جگہ وسیلہ واسطہ وغیرہ الفاظ سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس رابطہ اور وسیلہ سے ذاتِ باری کے ساتھ یحبو نھم یحبو لہ کا تعلق حتّی پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بغیر کسی تعلق کا سوال ہی نہیں ویسے تو ابلیس کو بھی خدا سے تعلق ہے۔ کوئی شئے بے تعلق نہیں ایسا علاقہ جس سے حق تک رسائی ہو اسکی ہم نشینی وہم کلامی کا شرف جیتے جی اسی دنیا میں ملے اور اس کی رضا حاصل ہو ایسا تعلق بغیر وسیلہ اور واسطہ کے نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

جائیکہ زاہداں بہزار اربعین رسند　　　　مستِ شرابِ عشق بیک آہ می رسند

زاہدوں کو سب کچھ حاصل ہوسکتا ہے بجز آہ کے۔ یہی آہ ہے جو ہیچ من دیگرے نسبت کے طلسم غرور کو ریزہ ریزہ کرتی اور سرکشوں کو کسی کے قدموں میں لا ڈالتی ہے۔

حضرت حافظ شیرازی آہ کو کس پیارے انداز میں پیش کرتے ہیں دیکھیئے۔

در دفترِ طبیبِ خرد بابِ عشق نیست　　　　اے دل بدرد خو کن و نامِ دوا مپرس

عقل کے دفتر میں عشق کا باب نہیں ہے۔ اے دل درد کی عادت ڈال اور دوا کا نام نہ پوچھ اس لئے کہ یہ لوگ فرزانہ ہیں عاقل وفہیم ہیں سب کچھ ہیں مگر عاشق یا صاحب درد نہیں ہیں۔ کسی دل جلے نے کیا خوب کہا ہے۔

تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی　　　　نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

مثنوی تحفۃ العاشقین میں ہے۔

رابطہ بس ایک دوا ہے اے پسر　　　　دے صفا دل کے مریض کو یہ مگر

مانعِ وسواس ہے یہ رابطہ　　　　ماسوا حق کے نہ دے یہ ضابطہ

ہے غذائے باطنی کا یہ امام　　　　نفسِ امارہ کو کرتا ہے یہ تمام

یہ رکنِ ارظم ہے ہر مومن مسلمان کے ایمان کے لئے قرآن میں نورٌ و کتابٌ آیا ہے۔ کتاب کے ساتھ نور کی ضرورت ہے اسی نور کا اسم گرامی نام نامی ذاتِ محمدی ہے۔ ذات سے مراد مقناطیس ہے۔ علم وقرآن راہ ہے۔ ذاتِ محمد رہبر

ہے راستہ بغیر رہبر کے طئے نہیں ہوتا۔ معلم الکتاب اور مربی کی شخصیت کا انکار تراباؤلا پن ہے۔ اسی معنی میں حضرت سلطان باھوؒ حجت الاسرار میں عجیب نکتہ پیش کرتے ہیں۔ وسیلہ کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں۔

''گناہ کے وقت نفس کو قرآن و حدیث پڑھ کر سناؤ دوزخ سے ڈراؤ جنت کی لذتیں یاد دلاؤ خدا اور رسول کو شفیع بناؤ۔ قیامت کی غمناک حالت پل صراط و میزان وغیرہ کے مصائب اسے یاد دلاؤ تو بھی وہ گناہ سے باز نہیں رہ سکتا۔ مگر گناہ کے وقت شیخ کا نام لو یا اسم اللہ یا اسمِ محمد کا تصور کرو تو نفس ڈر جائے گا'' (ص ۱۴)

محمد کا بروئے ہر دو سرا است ہر کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

نفس شیطاں زد کریما راہ من رحمت باشد شفاعت خواہِ من

خدا کی رحمت ہی ذاتِ رسول ہے اس رحمت کی شفاعت و مدد ہی سے نفس و شیطان کی زد سے بچایا جا سکتا ہے دیکھئے نفس کی زور آوری اور اس کے خبث کو بڑے دلکش انداز میں پیش کر کے اس کے حقیقی چہرے پر سے کس طرح پردہ اٹھا کر پھینک دیا ہے۔ یہ ہر ایک کا کام نہیں۔ نفس ایک بڑا موذی ہیبت ناک اژدہ اور خون خوار درندہ ہے۔ چنانچہ یہ حضرت باھوؒ سرّ یاھو کا خود بفضلِ خدا بچ کر نکلنے اور اسے مغلوب کر دینے میں کامیاب ہو جانے کے بعد اس کے مد مقابل ہو کر اس کا معائنہ کرنے کے بعد کا کلام ہے۔ آپ کا فرمانا صد فیصد صحیح اور سچ ہے اس نفس کے کتنے ہی بڑے بڑے متقی پرہیز گاروں کو پچھاڑ دیا ہے۔ کتنے ہی تا بہ عمر پابندِ صوم و صلوٰۃ علم و عمل میں نامور ہستیوں کو اس اژدہ نفس نے نگل لیا ہے۔ ان میں کسی کے دل سے شہرت کا خیال نہ گیا تو کسی کا زور غرور نہ ٹوٹا، کسی کا غضب سرد نہ ہوا تو کسی سے فلاں عیب نہ دور ہوا۔ کسی کی کوئی تو کسی کی عادت نکل نہ سکی اور ان کو اس کی حسرت ہی رہ گئی کہ بانگِ رحیل آ گیا اور چل بسے۔ ہائے کتنی درد انگیز ہے یہ کہانی یہ نفس کی عظیم النظیر کارستانی۔ خداوندِ قدرت نے نفس سے بڑی کونسی چیز پیدا کی ہے تلاش کیجئے۔ اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ نانا ہم اپنے علم و عمل کے زور سے نفس پر غالب ہیں تو چلو چھٹی ہوئی۔ ہم بصد ادب قائل ہو جاتے ہیں۔ بے شک آپ بڑے پاکباز ہیں آپ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ بہر حال نفس کو بغیر وسیلہ مغلوب کرنا ناممکن ہے۔ اور آگے چلئے دیکھئے کہ ان اہل قال کے متعلق اہل حال بزرگوں کی کیا رائے ہے۔ ''و اہل ظواہر شیخی و درویشی چند رکعات زیادہ نماز چند روزہ خلوت نشستن و چند روزہ گرسنہ بووند دانستہ اند و اللہ کا راز ہمہ بیروں است'' (مکتوب ۱۶) ترجمہ اور اہل ظاہر زیادہ سے زیادہ مشخت و درویشی کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ معمول سے زیادہ چند رکعات نماز پڑھ لئے جائیں اور کچھ روز خلوت اختیار کر لی جائے اور چند روز بھوکا رہ جائے اور بس۔ لیکن خدا کی قسم اصلی مقصد ان سب سے جدا ہے دوسری جگہ پس اے محبوب خلائق و اہل ظواہر محمد را چہ دانند کہ چہ بود و کہ بود از محمد ہمیں دانند کہ انما انا بشر مثلکم اکثر خلائق خدائے عزوجل را دانستہ اند و لیکن

نشناختہ اند و محمد را ندانستہ و نشناختہ" (مکتوب ۱۵)

اے پیارے عامۂ خلائق اور اہل ظاہر حضرت محمد کو کیا جانے کہ آپ کی ذاتِ مبارک کیا ہے۔ اور آپ کون ہیں محمد کو اتنا ہی جانتے ہیں کہ ہم جیسے ایک بشر ہیں اکثر لوگ خدائے جل وعلا کو مانتے ہیں لیکن پہچانتے نہیں اور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں "نیک تامل کنی و تفکر فرمائی کہ اہل ظواہر در عالم شریعیت و بشریت مسکن و ماوائے خود ساختہ اند، ہنوز جمالِ شریعت را ندیدہ اند۔ معانی حقیقت کلام ربانی را چہ فہم کنند" (مکتوب ۱۸) ترجمہ اگر تم غور وفکر کرو گے تو معلوم ہوگا کہ اہل ظاہر شریعت و بشریت کے محدود دائرہ میں اپنا مسکن و ماویٰ بنا چکے ہیں۔ ہنوز جمالِ شریعت تک ان کی رسائی نہیں ہوئی ہے پھر بھلا کلامِ ربانی کی حقیقت وہ کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ دیگر ایک موقع پر علمائے منکرین کی نااہلی یوں ظاہر فرماتے ہیں۔ "بیچارہ اہل ظواہر را معدہ نیست و مادہ ایشاں مثال معدۂ شیر خوارانا است۔ در معدہ شیر خوران بریاں وحلوہ احتمال نہ کنند ہر گاہ کہ نقلیات را احتمال ندارند بس شراب خالص رائی احتما کنند و چہ دانند (مکتوب ۱۸) ترجمہ ان بے چارے ظاہر پرستوں کا معدہ مضبوط نہیں ہے ان کا معدہ شیر خواروں کے مماثل ہے اس طرح کمسن بچوں کا معدہ تلی بھنی اشیاء اور حلوے کا متحمل نہیں ہوتا اور جبکہ میوہ مٹھائی ان کا معدہ برداشت نہیں کرسکتا ہے تو پھر کیونکر شرابِ خالص کو وہ ہضم کرسکیں گے اور اس کی قوت تحصیر کو یہ کیا سمجھیں گے۔ (مکتوب ۱۸، بحر المعانی از حضرت سید محمد خلیفہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ)

کئی بطاعت ایں بدست آرد کسے　　　زاں کہ کرد ابلیس ایں طاعت بسے

ترجمہ: صرف عبادت کر کے کوئی کس طرح یہ مقصد حاصل کرسکتا ہے جبکہ ابلیس ایسی عبادت بہت کر چکا ہے

عشق اندر فضل علم و دفتر واوراق نیست　　　ہر چہ گفتگوی باشد آں رہِ عشاق نیست

ترجمہ: یقیناً عشق کی ضرورت ہے اور یہ عشق علم و فضل کے دفتر داوراق میں نہیں ہے اور نری گفتگو عاشقوں کا طریقہ بھی نہیں ہے۔ دراصل ظاہر داری میں تو مرا حاجی بگو من ترا حاجی بگویم کا معاملہ ہے۔

یہ حضرات نہ اپنے آپ کے متعلق جانتے ہیں کہ خود کا درجہ کیا ہے اور خود کو کیا حاصل ہوا ہے۔ جب ان کی اپنی ذات اندھیرے میں ہے تو دوسروں کے بارے میں یہ کیا رائے زنی کر سکتے ہیں۔ ان کی پہنچ زیادہ سے زیادہ عقل تک ہے اسی لئے یہ لوگ نقل کے پابند رہتے ہیں۔ عقل بہت کچھ ہونے کے باوجود لنگڑی لولی اندھی بہری بھی ہے ایسی عقل پر ان کو بہت بڑا غرّہ ہے۔ عقل طرفہ تماشائی ہے کبھی غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط بنا کر قائل کرا لینا بھی اس کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اسی لئے شریعت نازل ہوئی ہے جسمیں عقل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ بے چوں و چرا احکامِ خدا کو ماننا نجاتِ اخروی کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یہ عقل ہی ہے جو اہل دل کے پاس جانے سے روکتی اور ان میں عیب نکالتی ہے اور ان کی عیب جوئی کرتی ہے۔ چنانچہ

لسان الغیب میں حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

آنکس کہ با تو گفت کہ درویش را پرس ہیچ آگہی ز عالم درویش نبود

ترجمہ: جس نے تجھ سے کہہ دیا ہے کہ درویش کو مت پوجھ (قدر نہ کر) تو جان لے کہ اس کو درویشی کے عالم کی کچھ خبر نہیں ہے۔ فقراء کی بے قدری کرنے والوں کی ہمہ دانی کا پتہ چلتا ہے کہ ان کی ہمہ دانی میں عالم درویشی کا علم نہیں ہے۔ تو ہمہ دانی کا دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے۔

از دلق پوش صومعہ نقد طلب مجوے یعنے ز مفلسانِ سخن کیمیا مپرس

ترجمہ: عبادت خانے کے متوالوں سے نقد عیش نہ ڈھونڈ۔ یعنی مفلسوں سے کیمیا کی بات نہ دریافت کر ایسے عبادت کے دھنی جن کا رات دن کا مشغلہ ہی عبادت خانوں کی طرف پیش قدمی ہے وہ اپنے اجر عبادت کو اگلے زمانے پر انحصار کئے بیٹھے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نقد کچھ حاصل نہیں ہے تو ایسوں سے نقد نعمت کی بات دریافت کرنا لاحاصل ہے۔

پاک شو اول و پس دیدہ براں پاک انداز عنسل دراشک زدم کاہل طریقت گویند

ترجمہ: میرا معشوق ایسا پاک ہے کہ جب اس پر نظر ڈالنا چاہا تو اہل طریقت میں مجھ سے کہا کہ ہاں ٹھہر پہلے اشکوں کے پانی سے غسل کر لے اور پھر اس پر نظر ڈال، اسلئے میں نے آنسوؤں سے غسل کیا۔

یہاں نقد نعمت کا تذکرہ کیا ہے کہ محبوب پر نظر ڈالنے کی نعمت ہم کو حاصل ہے۔ یہی نقد نعمت ہے اس سے بڑی نعمت اور کوئی نہیں ہے البتہ جب تک اہل طریقت کی ہدایت پر آنسوؤں سے غسل نہیں کیا جائے گا محبوب نظر نہیں آسکتا۔ درویش اور درویشی کی نقد نعمت کا کہ وہ کیا ہے صاف صاف ذکر کر دیا ہے۔

بتکلف بشنو دولتِ درویشان است دولتِ را کہ نباہ شد غم از آسیب زوال

ترجمہ: ایسی دولت جس پر زوال وفنا اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ بے تکلف سن لو کہ وہ درویشوں ہی کی دولت ہے۔

اقبال کی نظر میں یہ دولت کیا ہے یہ بھی دیکھتے چلئے، جاوید نامہ میں ہے۔

ذات را بے پردہ دیدن زندگی است درمقامِ خود رسیدن زندگی است

ترجمہ: اپنے مقام کو پالینا زندگی ہے ذات کا بے پردہ دید کر لینا یہی حاصل زندگی ہے جس کو یہ مقام حاصل نہیں ہے تو اس پر مردگی طاری ہے۔ اب وہ اپنے زبان وقلم سے چاہے جتنا کام لے اور اپنے حصہ بدن سے جس قدر چاہے اچھل کود کر لے پھر بھی وہ مردہ ہی ہے۔ یہ سوال کہ یہ مرتبہ ومقام کس طرح حاصل ہوسکتا ہے اس کے لئے حافظ کی طرف رجوع کر کے دیکھیں کہ وہ کیا مشورہ دیتے ہیں۔

کلید گنج سعادت قبول اہل دل است　　مبادکس کہ دریں نکتہ شک وریب کند

ترجمہ: اہل اللہ کے قلوب کو خوش کرنا ان کو رضا مند رکھنا ہی سعادت کی کنجی ہے۔ایسا نہ ہو کہ کوئی اس نکتہ میں شک و شبہ کر کے گنج سعادت کھو بیٹھے۔دید ہی زندگی ہے اور اس نعمت کے پانے کا سیدھا راستہ قبول اہل دل ہے اس کے بغیر نہ کسی کو اس جوہر گراں مایہ کی کنجی ملی ہے نہ ملے گی۔اس کے بعد اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ اس کی چابی اہل دل کی تلاش کرے اور ان کے آگے عجز و نیاز سے سرقم کر کے وہ مقدس کام انجام دیں جس کو عزازیل نہ دے سکا یا خود پسندی کی راہ پر گامزن ہو کر بغیر زندگی عین مردگی میں خود کو زندہ تصور کر کے خود فریبی میں مبتلا رہے۔

حافظ تو ختم کن کہ ہنر خود ایاں شود　　بامدعی نزاع ومحابہ چہ حاجت است

اے حافظ اس سوال اور جھگڑے کو ختم کر کے تجھ کو کیا ملا، کیا نہ ملا، جنگ سے کیا نتیجہ ہنر ایسا کمال ہے کہ وہ خود ہی ظاہر ہو جائے گا۔کون ہنر مند ہے اور کون بے ہنر یہ برسر عام آ کر رہے گا اسلئے مدعی سے نزاع و جدال کی کوئی ضرورت نہیں۔ایک صاحب تمیز و فہم کا اپنی بھونڈی عقل کو خیر باد کہنے کی مجنونانہ حرکت اور خرد کے تنگ کوچہ سے جنون کے وسیع عالم میں انتقال مکان کا والہانہ انداز بھی قابل دید ہے　وہ کہتا ہے۔

خرد کی گھتیاں سلجھا چکا میں　　مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

کہہ کر اقبال نے عقل کی ہانڈی کو چوراہے پر پھوڑ دیا ہے۔جنوں سے مراد اشد حب للہ اس کے بغیر دین بھی بے نمک رہ جاتا ہے۔اہل اللہ کی دعوت اسی نمک اور نمکین کی طرف ہے۔اللہ اور حبّ شدید کا تقاضہ سرمدی حقیقت ہے یہ حبّ انمول ابدی افضل ترین نعمت اور رحمت ہے۔

نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا وہ شخص نہیں مرسکتا یہ بات ثابت ہو چکی ہے وہ یوں کہ ہمارا ہمیشہ زندہ رہنا دنیا کو معلوم ہو چکا ہے۔اللہ حبّ شدید کی جانب دعوت فنا پزیری اور زوال کے مقام سے نکال کر لازوالی اور بقائے دوام بقا کی جانب ہے۔ہدایت کا یہی منتہائے مقصود ہے۔یہ کتنا پیارا کام ہے

زندہ رہے اہل اللہ کا نام......! پائندہ رہے ان کی دعوت......!

والسالم علیٰ من اتبع الهدیٰ والله یهدی لنور من یشاء

نبیرۂ شاہِ دکن رحمۃ اللہ علیہ

قطب الاقطاب حضرت سید شاہ راجو محمد محمد الحسینی قدس سرہٗ العزیز

المعروف حضرت شاہ راجو قتال علیہ الرحمۃ

محمد شفاعت احمد سلیم

ایم اے، بی ایڈ (نیلور) آندھرا پردیش

سیل نمبر 09885395740

نیست کعبہ در دکن جز درگہ گیسودرازؒ
بادشاہِ دین و دنیا تا ابد بندہ نوازؒ

اس حقیقت کو کسی اور شاعر نے یوں کہا ہے

کعبہ ہے دکن کا درگہ گیسودرازؒ
جھکتی ہے یہاں جبینِ محمود و ایاز
تا حشر ہیں بادشاہِ دین و دنیا
کونین کے سرتاج شہ بندہ نواز

ہاں یہ بات بالکل سچ ہے کہ شاہِ دکن حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز شاہباز بلند پرواز علیہ الرحمۃ تا ابد دین و دنیا کے بادشاہ ہیں، آپ حضرت خواجۂ خواجگاں ہندالولی عطائے رسول حضرت سید شاہ خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری قدس اللہ سرہٗ العزیز کے جانشین ہیں۔

جانشینِ خواجگاں بھی، خواجۂ موجود بھی
رہبر بھی راستہ بھی، منزلِ مقصود بھی
آپ کے دم سے فروزاں شمع علم و عمل
ہیں محمد الحسینی حامد و محمود بھی

خواجۂ دکن حضرت خواجہ بندہ نواز قدس سرہٗ کی اولادِ مبارک ہندوستان میں خاص کر دکن کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی ہے۔ جو علمی، اصلاحی، دینی اور روحانی فیوض و برکات سے ایک عالم کو مستفید فرما رہے ہیں۔ ہمارے ہاں حیدرآباد دکن میں شاہِ دکن حضرت خواجہ بندہ نوازؒ گیسودراز کے بنیرۂ زادہ قطب الاقطاب حضرت سید شاہ یوسف محمد محمد الحسینی المعروف حضرت سید شاہ راجو محمد محمد الحسینی قبلہ رحمۃ اللہ علیہ (شاہ راجو قتال علیہ الرحمۃ) جن کی بارگاہِ اقدس مصری گنج بیرون فتح دروازہ حیدرآباد میں ہے۔ آپ پر سرزمین حیدرآباد دکن جتنا بھی ناز کرے، جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

حضرت سید شاہ راجو حسینی قدس سرہٗ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز علیہ الرحمۃ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ اکبر حسینی قدس سرہٗ کی اولاد سے ہیں، آپ کا سلسلۂ نصب آٹھویں پشت میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز قدس سرہٗ سے جا ملتا ہے۔ آپ جید عالم دین اور صوفی بزرگ حضرت سید شاہ سفیر اللہ حسینی علیہ الرحمۃ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ حضرت سید شاہ راجو حسینی قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت ۱۰۰۲ھ بیجاپور (کرناٹک) میں ہوئی اور وہیں آپ شعور کو پہنچے اور وہیں آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار سے حاصل فرمائی اور بعد ازاں تکمیل اپنے عم مبارک (چچا محترم) حضرت سید شاہ اکبر حسینی قدس اللہ سرہٗ العزیز سے حاصل کی۔ جب سید شاہ راجو حسینی قدس سرہٗ نے علم و عرفاں، عبادات و ریاضات زہد و تقویٰ اور علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل فرمائی تو حضرت سید شاہ اکبر حسینی قدس سرہٗ نے حضرت سید شاہ یوسف حسینی المعروف شاہ راجو قتال قدس سرہٗ کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

آپ بعہد عبداللہ قطب شاہ عمِ محترم کے ہمراہ غازی بنڈہ حیدرآباد (موجودہ بارگاہِ اقدس حضرت سید شاہ اکبر حسینی علیہ الرحمۃ غازی بنڈہ حیدرآباد) تشریف لائے اور وہیں رہنے لگے۔ آپ کے عمِ معظم اور پیر و مرشد حضرت سید شاہ اکبر حسینی سرکار کے وصال کے بعد آپ نے سجادگی اور منصبِ رشد و ہدایت پر فائز ہوئے۔ سجادہ نشینی کے بعد عمِ محترم کی خانقاہ غازی بنڈہ سے نکل کر اپنی نوتعمیر کردہ خانقاہ بیرون فتح دروازہ مصری گنج (جہاں آپ کی بارگاہِ اقدس ہے) میں تشریف فرما ہوئے اور مدت العمر قیام پزیر ہو گئے اور وہیں اسی مقام سے رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی مقام سے ایک جہاں کو حق تعالیٰ سے واصل بنایا۔ یہ سلسلہ آج بھی برابر جاری و ساری ہے۔

حضرت سید شاہ راجو حسینی قدس سرہٗ کا عقدِ مبارک دکن کے ممتاز صوفی بزرگ حضرت سید شاہ اولیاء سلطان الفقراء قادری (نبیرہ حضرت سید شاہ جلال الدین جمال البحر معشوقِ ربانی علیہ الرحمۃ) کی صاحبزادی سے ہوا۔ آپ کو تین

صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں۔سید شاہ راجو حسینی قدس سرہٗ آل نبی ﷺ اور اولاد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ اور نبیرہ حضرت سید شاہ خواجہ بندہ نواز ہیں۔آپ ایک جید عالم وصوفی ہیں، ولیٔ کامل ہیں اُ سے ہر وقت کرامات کا ظہور ہوتا ہی رہتا ہے۔یہاں صرف دو کرامات کا مختصر ذکر کیا جارہا ہے۔

ایک مرتبہ سلطان عبداللہ قطب شاہ آپ کی بارگاہِ اقدس میں حاضری کے بعد خانقاہ سے جس وقت واپس ہورہا تھا اتفاقاً اسی وقت آپ کی خانقاہ میں تربیت یافتہ آپ ہی کا ایک ارادت مند ابوالحسن نامی نوجوان خانقاہ میں داخل ہورہا تھا۔حضرت ابولاولایت سید شاہ راجو حسینی نے بے ساختہ ارشاد فرمایا۔''ایک بادشاہ جارہا ہے اور ایک بادشاہ آرہا ہے''۔

جس کا مفہوم وہاں موجود مریدین ومعتقدین کو اس وقت تو سمجھ میں نہیں آیا۔بعد ازاں جب ابوالحسن گول کنڈہ کا بادشاہ بنا تب یہ بات سب کی سمجھ میں آگئی کہ ولیٔ کامل کی زبان سے بے مطلب اور بے معنی بات نہیں نکلتی۔

ایک روز ایک شخص نے حضرت سید شاہ راجو حسینی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ایک انار پیش کیا جسے قبول فرما کر آپؒ نے اسے دانے حاضرین میں تقسیم فرمادئے اور ان میں چند دانے ابوالحسن کو بھی عنایت کر کے حضرتؒ نے فرمایا''گن تو کتنے دانے ہیں وہ جتنے دانے ہونگے اتنے ہی برس تک تو حیدرآباد دکن کی سلطنت پر حکمران رہے گا''۔یہ وہی ابوالحسن تھا جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کا داماد ہی نہیں بلکہ اس کے بعد سلطان ابوالحسن تاناشاہ کے نام سے ۱۰۷۳ھ میں قطب شاہی تخت پر بیٹھا۔

حضرت سید شاہ راجو حسینی سرکارؒ کو شاعری سے گہرا لگاؤ تھا۔آپؒ راجو تخلص فرمایا کرتے تھے۔آپ نے عربی، فارسی اور دکھنی زبانوں میں شاعری فرمائی، مفید اور کارآمد کتابیں تصنیف کیں جو نظم ونثر دونوں پر مشتمل ہیں۔

۹۰ رسال کی عمر میں حضرت سید شاہ راجو حسینی قدس اللہ سرہٗ نے اس جہاں فانی کو خیرباد کہہ کر رحمت حق سے پیوست ہوگئے۔آپؒ کے مرید خاص سلطان ابوالحسن تاناشاہ نے آپ کی آخری آرامگاہ پر گنبد کے کام کا آغاز کیا۔تقریباً کام مکمل ہونے ہی تھا کہ قطب شاہی سلطنت وحکومت کا خاتمہ ہوگیا، جس کی وجہ سے تھوڑا سا کام گنبد مبارک نامکمل رہ گیا جسے موجودہ سجادہ نشین ومتولی حضرت سید شاہ راجو حسینی ثانی قبلہ نے اپنی مساعی جمیلہ سے تزئین نو سے آراستہ فرمایا۔

حضرت سید شاہ راجو حسینی قبلہ علوم دینوی پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔درس وتدریس کا سلسلہ پابندی سے خانقاہ میں ہوا کرتا تھا جس سے ہزارہا بندگانِ خدا مستفید ہوکر صبر وتوکل، قناعت وریاضت، اصلاح باطن پر گامزن ہوتے

تھے۔حضرت کے ارشادات،ملفوظات اور خطبات مواعظ اور نصائح اور عارفانہ کلام کو جو فارسی اور دکھنی زبان میں ہے حضرت کے مریدین اور معتقدین نے بڑی عقیدت کے ساتھ جمع کئے ہیں۔چنانچہ موجودہ سجادہ نشین صاحب قبلہ نے اس کے لئے ایک اکیڈمی شاہ راجو اکیڈمی کے نام سے قائم کی ہے جس کے ذریعہ ان مخطوطات کی اشاعت عمل میں لائی جارہی ہے۔اب تک 5 کتابوں کی اشاعت عمل میں لائی جاچکی ہے۔

حیدرآباد دکن میں حضرت سید شاہ راجو حسینی المعروف شاہ راجو قتال رحمۃ اللہ علیہ کا گنبدِ فن تعمیر اور طرزِ تعمیر کے اعتبار سے منفرد نوعیت کا ہے۔یہ خوبصورت گنبد آج بھی زیارت گاہ خلائق اور آماجگاہ انوار خالق ہے۔اس درِ پاک سے معتقدین دین و دنیا کی نعمتیں حاصل کررہے ہیں اور آپ کی دعاؤں سے مستفیض ہورہے ہیں۔انشاء اللہ حلق اللہ کل روز قیامت تک آپ سے فیض پائیں گے۔

حضرت سید شاہ راجو حسینی ثانی قبلہ اس آستانہ عالیہ کے موجودہ سجادہ نشین ومتولی ہیں،جن کی سرپرستی میں درگاہ شریف کے تمام انتظامات انجام پاتے ہیں۔ان ہی کی نگرانی میں تقاریب عرس شریف ۱۳،۱۴،۱۵،۱۶ صفر المظفر کو عظیم الشان پیمانے پر منعقد کئے جاتے ہیں جسمیں معتقدین،مریدین ریاست وبیرون ریاست سے بلا مذہب وملت ہزاروں کی تعداد میں شرکت کرکے فیض حاصل کرتے ہیں۔حضرت کا فیضان اور عرفان آج بھی جاری وساری ہے۔

(ماخذ: تاریخ گلزار آصفیہ،حدلقۂ رحمانی،تذکرا اولیائے دکن،مشکوۃ النبوت)
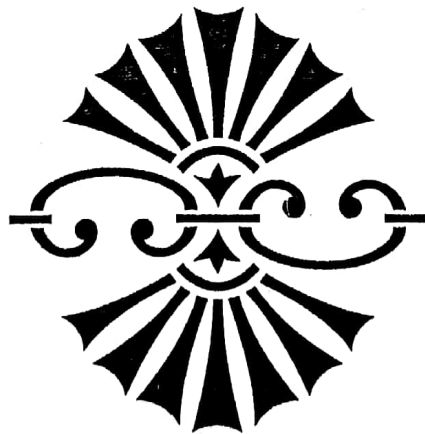
ایمانِ کامل اور ایمانِ ناقص کی پہچان

از: منصور علی خان سہروردی
مدیر اعلیٰ ہفت روزہ ''تسخیر انسانیت'' بنگلور
موبائل 9845658861

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۹۷'' قل من کان عدوّاً لجبریل فانه نزله علی قلبك باذنِ الله مصدقاً لما بین یدیه و هدًی و بشریٰ للمؤمنین '' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہہ دیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کوئی جبرئیل کا دشمن ہو تو اس (جبرئیل) نے تو تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے یہ قرآن اتاری جو اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتا اور ہدایت والی بشارت دیتا ہے مومنوں کو۔ یہودیوں کے عالم عبداللہ بن صوریا نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپکے پاس آسمان سے کونسا فرشتہ آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیلؑ ۔ تب ابن صوریا نے کہا وہ ہمارا دشمن ہے، جو عذاب شدت اور خسف اتارتا ہے، کئی مرتبہ ہم سے عداوت کر چکا ہے۔ اگر آپکے پاس میکائیل آتے تو ہم آپ پر ایمان لے آتے۔ یہاں غور کرنے والی بات یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کسی کو دشمنی کیا معنی رکھتی ہے؟ اور حضرت میکائیل علیہ السلام سے دوستی کیا معنی رکھتی ہے؟ اور انبیاء ورسل سے کسی کو دوستی یا دشمنی کیا معنی رکھتی ہے؟ باوجود اسکے سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے کہ کوئی اگر اللہ کے مقرب فرشتوں سے دوستی یا دشمنی رکھتا ہے تو اسکو سوچنا چاہئے کہ آپ خود کون ہے؟ کیا ہے؟ اور جبکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی تیرے پاس اچھائی کی دعوت لیکر آرہا ہے تو کیوں آرہا ہے؟ اور تیرا حق تعالیٰ کے قریب کیا مقام ہے، اور تو کیا جانتا ہے کہ اللہ کون ہے کیا ہے؟ اسکے فرشتے کون ہیں کیا ہیں؟ انبیاء ورسل کون ہیں کیا ہیں؟ اللہ کے طرف سے کوئی بھی آئے وہ آخر کس کی بھلائی کیلئے آرہا ہے؟ اگر کوئی اللہ پر ایمان بھی لے آئے تو کیوں ایمان لے آرہا ہے کیا ضرورت ہے۔ آخر اتنا تو معلوم ہو کہ احکام اللہ کے قبول کرنے یا کہ انکار کرنے کا تیرے اندر جو خیال آرہا ہے تو آدمی کو سوچنا چاہئے اللہ کے احکام پورا کرنے میں بھلائی کس کی ہے اور انکار کرنے میں نقصان کس کا ہے؟ اور یہ تیرے نفع نقصان سے اللہ کو کیا نفع ونقصان ہے۔ کیا تو اللہ کی طرف سے پیدا کیا گیا ہے؟ کیا تیری طرف سے حق تعالیٰ کی قدرت وخدائی ایجاد میں آئی ہے۔ وہ دائم ذات ہے اور تو جب تک تجھ میں تیری جان ہے تب تک کا مہمان تجھے کیوں اتنی بڑی مان، یعنی گھمنڈ، غرور وتکبر، عزت وقدر تیری تجھ کو نہیں شناخت تیری تجھے نہیں پہچان، تیری جان کا تو نہیں محافظ، تیری پہچان تیری جان کا کوئی اور ہے نگاہ بان۔ بہتر یہی ہے کہ تو کرلے قبول نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کا فرمان۔اسی میں ہے تیری بھلائی تو ہوتا کیوں ہے پریشان، تو ہے گھڑی دو گھڑی کا مہمان، نہ ہے تو کسی کا سلطان وسبحان، وقت ہے آج بھی اگر بننا ہے تجھے تو بنجا انسان ومسلمان پھر بنجائیگا یقیناً مومن ومسلمان۔حق تعالیٰ تجھے دے رہا ہے بشارت ہدایت کہ تصدیق کر تو پہلے اپنے ایمان کی۔کیونکہ عداوت انبیاء ومرسلین کی، فرشتوں اور ملائکہ کی کھرا کفر ہے غضب الٰہی کا سبب ہے۔محبوبانِ حق کی دشمنی خدا سے دشمنی ہے کاش گرکسی کے سمجھ میں اتنی بات آجائے تو وہ آج ہی اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لے آئے گا اور محبانِ اللہ عزوجل میں شامل ہوجائیگا۔کمسن ونابلوغ ایمان کیا جانے کہ ایمان کی اصل کیا ہے کس سے ہے۔اگر کوئی حق تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اخلاص کے ساتھ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید عشق ومحبت کے ساتھ ایمان نہ لائے اور لاالہ الااللہ کا اقرار کردے تو یقیناً توحید کا مدعی تو بن جاتا ہے مگر جب تک اس اقرار کے گواہ نہ ہوں تب تک اسکا کوئی ضامن نہ ہو اور یہ کہہ دے کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے تو کیا ہوگا۔اگر کوئی کہے لاالہ الااللہ تو کیا تعجب ہے وہ تو ہے ہی معبودِ حقیقی اسکے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اور اسمیں کوئی شریک نہیں یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تصدیق ہے۔اس تصدیق کا حق سوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کس کو ہے جو ہوسکتا ہے۔اسی لئے توحید کے اقرار کے ساتھ رسالت کا اقرار بھی ضروری ہے اور اسکی دل سے تصدیق ہونی چاہئے۔جسکی گواہی سچی پیدا کرنی چاہئے۔

زبانی حد تک یہ بات درست ہے مگر عملی اعتبار سے دیکھا جائے تو ایمان کی تصدیق کیلئے اپنے رب سے ہدایت پانا بھی سب پر آسان نہیں ہے۔اسلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''یا ایھاالناس انی ترک فیکم ما انا اخذتم بہ لن تظو کتاب اللہ وعترنی اھلیبت''(ترمذی شریف) یعنی اے لوگوں میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں اگر تم ان کو پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔اور وہ چیز ایک تو اللہ کی کتاب یعنی قرآنِ حکیم اور دوسری میری اہل بیت ہیں۔عالم انسانیت میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے آئے ہیں جو اللہ کی کتاب قرآن حکیم کی پیروی اہل بیت سلف وصالحین کے دامن کرم سے شرف بیعت حاصل کئے جاتے ہیں۔ورنہ اللہ کی کتاب اللہ کی زبان سمجھنے کیلئے یہ بھلا انسان کی بساط ہی کیا کہ خالق کون ومکاں کی قدرتی کرشموں کا جاننا یا کہ اسکی تعریف کرنا ازل تا ابد کی قوت بشریت کے احاطہ سے باہر کی بات ہے۔ہاں اگر اللہ عزوجل ہدایت عطا کردے تو یہ اسکی مرضی ہے۔

کیونکہ یہاں اسی بات کو پھر سے دہرانا پڑیگا کہ اللہ کو دیکھا کون ہے۔اور اللہ کو دیکھے ہوں تو سمجھا کون ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی تعریف آپ فرمائی ہے۔یا کہ انبیاء ومرسلین نے اپنے رب کی تعریف فرمائی ہے۔ایسی تعریف مخلوق نہیں کرسکتی۔حق تعالیٰ نے خود اپنے بندوں کو اگر اسکی راہ دکھائے تو بات بنے ورنہ خود سے بے خبر لوگ کیا بھلا حق تعالیٰ کی تعریف کر پائینگے۔کامل الایمان وہی لوگ ہیں جو قرآن حکیم کی پیروی بزرگان اسلاف یعنی سلف و

صالحین اہل بیت سے وابستہ ہوکر حق تعالیٰ سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔

یہاں ایک اور بات قابل غور وفہم وادراک ہے کہ قرآن وحدیث میں بار بار رشد وہدایت پر زیادہ ترجیح دیجارہی ہے۔ جسکا اصل اہل بیت صالحین کی راہ پر چلنا یا کہ انکی رہنمائی اختیار کرنا جنکی رہنمائی قبول کرنیکا حق اللہ تعالیٰ سے ہم سب اسکی شرط اول سے جو ربانیت کی جانب راہ دیتے ہوئے بارگاہِ الٰہیہ میں صاف دل بنا کر پیش کردیتے ہیں یعنی نماز سے حاصل ہونے والے تمام نعمتیں اپنے دامن میں ہمیشہ کیلئے پالتے ہیں۔ ورنہ ناقص ایمان والوں کی طرح ریا کاری حسد و بغض کے ساتھ بے شرم و بے عزت، کینہ وکبر اور کدورت کو ساتھ رکھتے ہوئے بے حیائی جیسی تمام اعمالِ ناقصہ سے بچتے بچاتے۔ بے گناہ، بے داغ، علی الاعلان اپنی معصومیت کا سچا ثبوت لیکر مفصل وواضح طور پر بے کدورت و بے لوث یعنی کورے کاغذ کی طرح اپنے دل کو صاف ستھرا بنا کر اپنے معبودِ برحق کی خالص عبادت کیلئے اپنے آپکو پوری طرح سے حق تعالیٰ کے سپرد کردینے والا ہی ایمان کے لائق کہلاتا ہے۔ اس پاک دامن لوگوں کو ہی سچا صادق، راست باز، یا کہ نیک و صالح باایمان بننے میں کوئی اشکال نہیں۔

ایمان سعادت کیلئے راہ حق میں بہت ساری قربانیاں پیش کرنی پڑتی ہیں۔ باوجود اسکے اللہ تعالیٰ سے اسکی شدید محبت کیلئے دنیائے فانی کی محبت سے ہاتھ دھونا پڑھتا ہے یہاں تک اپنے ماں باپ، بیوی بچے، دوست واحباب، مال وزر، زمین وجائیداد ہی نہیں بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ حق تعالیٰ سے محبت رکھنا چاہئے۔ جب کہیں جا کے دائرہ ایمان میں قدم رکھنے کا حوصلہ بنتا ہے۔ بعد ایمانِ کامل نماز صرف اسی پر فرض بنتی ہے باقی سب ڈھونگ اور دکھاوا ہے جو بے ثمر شجر کی طرح ہوتا ہے۔

فرمایا حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے ''محبت دل کی تشویش کا نام ہے جو کہ محبوب کے فراق سے حاصل ہوتی ہے اس وقت دنیا اسکی انگوٹھی کے حلقے یا مجلس مجلسِ ماتم کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ اور فرمایا کہ محبت وہ شراب ہے جس کا نشہ کبھی نہیں اترتا۔ محبت اپنے محبوب سے خواہ ظاہر ہو خواہ باطن ہر حال میں خلوص نیتی سے کرنے کا نام ہے۔ محبت بغیر محبوب کے سب سے آنکھیں بند کرلینے کا نام ہے۔ عاشق محبت کے نشے میں ایسے مست ہوتے ہیں کہ انہیں بجز مشاہدہ محبوب کے کبھی ہوش نہیں آتا۔ وہ ایسے مریض ہیں کہ بغیر دیدار محبوب کبھی صحت نہیں پاتے۔ انہیں اغیار سے حد درجہ کی وحشت ہوتی ہے، محبوب کے سوا انہیں کسی سے انسیت نہیں ہوتی''۔

حق تعالیٰ کی محبت میں آگے آگے بڑھنا بڑھتے رہنا جس سے علمِ الٰہی کی حاصل کیلئے کافی جانکر قضا وقدر پر راضی رہنا اور محبت ایسی ہونا کہ جو ایک لمحہ کے لئے ہی نہیں بلکہ اس سے کم اوقات کا بھی اپنے معشوق کی یاد سے فراموش نہ ہونا کیونکہ عاشق کی بقا کی علامت یہ کہ اپنے معشوق کے اس وصفِ بقا میں سوا اپنے کے اور کوئی فانی نہ ہو اور کوئی فانی شئے ان

کے ساتھ نہ رہے بجز عاشق کے۔کیونکہ عاشق کی حقیقت معشوق کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔سچے عاشق کی یہی اخیر پہچان کہ اسکا دل ہروقت اپنے معشوق کی تجسس میں رہتا اور اپنے عشقیت کے آگے کسی قسم کا وسوسہ داخل ہونے نہ دینا ہر ایک قسم کے وسواس اسکے اندر داخل ہونے سے پہلے جل کر نیست ونعبو دہونا ہے۔پھر اسکے بعد امن ہی امن ہوگا،اور اسکو کسی کا خوف نہ ہوگا۔اس لئے کہ جس کے اندر نیک بختی آ گئی اسکے اندر بد بختی کا نام ونشان تک باقی نہ رہیگا۔اور وہ عزت وزلت قرب اور وصل و دیدار کے باقی کچھ نہیں۔جسے واصل حق نے بزرگی کا نام دیا ہے۔یہی ایمان کامل و ناقص کی اصل پہچان ہے۔نامکمل ومکمل ریاکار و بے ریا،سچا اور جھوٹا جب کوئی حق شناس بن جاتا ہے تو اسکو اور کیا چاہئے یہی آخر بات ہے۔عبادت کی لذت کا حامل وہی حاصل کرسکتا ہے جوحق تعالیٰ کی آیاتِ قرآنی کا علم وفہم اور عرف رکھتا ہو۔جنہیں علمائے حق کے نام سے دنیا جانتی ہے۔علمائے سو نہیں۔جنکی عقلِ ناقص کو چھپانے کیلئے قرآن وحدیث کا سہارا لیتے ہیں۔اور جاہ منزلت کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔عقل ناقص اور عقل کامل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔آئینہ اور ذاتِ حق سلف وصالحین کہاں اور کہاں یہ ظاہری لفظ وحروف کے شناس۔فطرت ہے دنیا کی ایک علم سیکھنے کے بعد اسی کی صورت پر ایک کئی علوم بن جاتے ہیں۔جیسا کہ گنتی میں ایک تا نو تک کے حروف بنے پھر اسکے بعد کوئی حروف نمایاں ہوا ہی نہیں۔بالکل ایسے ہی حروف تہجی کے علاوہ اور کوئی حروف ولفظ بنے ہی نہیں۔

اللہ اور اسکے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد اسکے ملائکہ وکتابوں پر بھی ایمان لانا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے مبعوس کئے گئے رسل اور آخرت پر بھی ایمان لانا باوجود اسکے خیر وشر پر بھی ایمان رکھنا ایمان والوں کا فرض ہے۔اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی تعریف نہیں۔صرف اسی کو رحمٰن ورحیم ماننا جسکی عبادت کرنا ،سوا اللہ کے اور کسی سے طلب نہ کرنا سب کے سب کو ایک راہ پر آنا اور اسی پر قائم ہونا۔سیدھی راہ وہی ہے جن پر حق تعالیٰ نے انکے اعمال کا بہترین انعام عطا کیا۔انکا راستہ نہیں جن پر حق تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔

بات سب ایک ہی ہے لیکن اللہ سے کچھ بھی مانگنے کیلئے قابلیت وحوصلہ کہاں سے لائیں کیسے مانگیں کیا مانگیں۔ہمیں دعا مانگنے کا سلیقہ بھی کہاں ہے۔مانگنے پر اتر آئیں تو دنیاوی خواہشات کے درباب یا تو جنت وآخرت کی دعا کے بجز کیا مانگ سکتے ہیں۔دنیادار دنیاداری کے درباب حق تعالیٰ پر توجہ رکھتے ہیں۔دیندار اپنے حق تعالیٰ کے سوا حق تعالیٰ سے اپنے لئے کچھ نہیں مانگتے۔اگر مانگنے پر اتر آئیں تو اللہ کے بندوں کیلئے مانگتے ہیں۔کیا قبر کیا حشر کیا جنت کیا دوزخ سوا حق کے انہیں اور کچھ نہیں چاہئے۔یہ دولت وشہرت قائل نہیں یہ دنیا کے عز جاہ سے دور بھاگتے ہیں یہی ایمانِ کامل کی نشانی ہے۔انکے برعکس جو ہوتے ہیں انہیں کو ایمان میں نامکمل یعنی ناقص الایمان کہتے ہیں۔

وما علینا الی البلاغ

محمد بن موسیٰ الخوازامی

دورِ جدید کے کمپیوٹر کا بانی

لیس محمد یوسف شماس
قاضی پورہ ادونی

آج کا دور کمپیوٹر کا دور ہے آن کی آن میں انگلیوں کی جنبش سے مختلف مسائل اور موضوعات اور کئی زبانوں میں حل نکل آتا ہے۔ انٹرنیٹ پر فی الفور اپنی ضروری موضوعات میسر ہو جاتی ہیں۔ مختلف پیامات کو دینا اور وصول کرنا اور زندگی کا کوئی بھی شعبہ باقی نہیں رہا جو اس سے مبرا ہو۔ آلۂ اعداد وشمار Calculator زیرعکس یعنی xerox خالص فارسی زبان کا ماخذ ہے۔ علم ریاضی کے اسباق یعنی جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، مکعب، مثلث، مربع، تناسب وغیرہ وغیرہ ہم ہی نے صحیح ڈھنگ سے دنیا کو روشناس کرایا۔

قرون ماضی کی طرف ہم لوٹ جائیں تو اسلامی سائنس صرف دوسری صدی ہجری میں اپنے عروج کی طرف رواں دواں تھی جس وقت اسپین کے مسلمان اپنی مساجد میں اپنے شہ پاروں اور فن خطاطی کے گل بوٹے بکھیر رہے تھے۔ اس دور کے عیسائی بھی اپنے گرجا گھروں میں بھی کلمۂ طیب اور آیت الکرسی وغیرہ کے حسن پر فریفتہ ہو کر وہی کتابت نقش کروا کر مسرور ہو جاتے اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اصل میں یہ کیا ہیں۔ غرناطہ اور الحمراء کے مساجد اور محلات آج بھی اپنی بے بسی پر نوحہ کناں ہیں۔

دیکھیے اپنی مزاروں سے جی اٹھتے ہی رہے
میری تحقیق نے ایک نور کا منظر دیکھا

اس سے قبل اگر ہم عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر خلافت راشدہ اور اس کے بعد خلافت بنو امیہ، خلافت بنو عباس کے ادوار میں اسلامی علوم اور سائنس کا کام بھی نمایاں طور پر انجام پایا۔ قرآن مجید، تفسیر، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، فقہ، اسماء الرجال اور مغازی وغیرہ کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے علم وفنون کو ترقی اور ترویج دی گئی۔ خلفائے بنو عباسیہ کا دور سنہرا دور کہلاتا ہے۔ اس دور میں سائنس کے مختلف موضوعات علم ہیئت، نجوم، طبیعات، معدنیات، کیمیا، ریاضی، جغرافیہ، نباتات، طب، حیوانات، ادبیات اور فلسفہ وغیرہ کی خلفائے وقت نے بڑی فراغ دلی سے سرپرستی کی۔ دنیا کے

کونے کونے سے ماہرین کو بلوایا گیا دورِ قدیم کی یونانی، مصری اور ہندی اور سنسکرت وغیرہ کی کتابوں اور مخطوطات کو اکھٹا کر کے اُن کے عربی میں ترجمے کیئے گئے۔ روئے زمین پر اس دور میں علم وفنون کے دو اہم مراکز تھے۔ مشرق میں بغداد اور مغرب اندلس کا قرطبہ۔ خلفائے بنوعباسیہ میں ہارون رشید اور لائق فرزند ارجمند مامون کے نام خاص طور پر روشن اور تابناک ہیں۔ سب سے پہلے بغداد شریف میں بیت الحکمت یعنی دنیا کا اول ترین ریسرچ سنٹر ان کی نگرانی میں قائم کیا گیا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اس لئے ترکی صدر محترم اردگان نے اعلان کیا کہ امریکہ کو مسلم ملاّحوں نے ہی کولمبس کی دریافت سے تین سوسال یا اس سے زائد پہلے ہی کی ایک قدیم مسجد کے آثار ویسٹ انڈیز کے جزیرے پر دیکھی۔ اور اس کے علاوہ لاطینی امریکہ کے مشہور ملک ارجنٹینا کی زبان میں عربی زبان کے آثار بھی ملتے ہیں۔

زیرِ نظر مضمون میں ہم ریاضیات کے باوا آدم محمد بن موسیٰ الخوارزمی کا تذکرہ کر رہے ہیں جنہوں نے علم ریاض میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اور یہ دور مامون اور اس کے بعد ہارون رشید کا تھا۔ اور یہ دور جدید کی دوسری صدی ہجری یا آٹھویں صدی عیسوی کا دور تھا۔

محمد بن موسیٰ الخوارزمی ۸۵۷ء میں علاقہ خوارزم جو علاقہ ترکستان کی ریاست ہے اور اس کے شہر خیوا میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے ۸۲۵ء کے لگ بھگ بغداد شریف تشریف لے گئے۔ اس دورِ قدیم میں یہ ماہروں کی طرح یہ بیک وقت کئی علوم وفنون کے ماہر تھے جسمیں خصوصی طور پر ہیئت (Astronomy)۔ طبعیات اور اقلیدس (Geoometry) کے ساتھ ایک ماہر ریاضی بھی تھے۔ محمد بن موسیٰ نے سب سے پہلے عربی اعداد کی ایجاد کی اور اس کے ساتھ ہی علم الجبرا کی ایجاد کر کے اسے ریاضی سے جدا کر دیا علاوہ ازیں یہ ریاضی میں سب سے پہلے اعشاریہ (Percentage) کے بانی ہیں۔ ان کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ تجارت، وراثت، شراکت داری (Prrtnership) وغیرہ کے مسائل حل کے لئے آسان قوانین اور ضابطے بنائے جائیں۔ اسی طرح حکومت کے فوجی معاملات ساز وسامان کے اخراجات، تعداد اور مقابلے لشکر سے نبرد آزمائی کے لئے علم الحساب اور اکونٹ کی ایک نئی شاخ ایجاد کی۔ یہ فن علم مساوات کی بنیاد پر قائم کیا گیا اور اسے الجبر والمقابلہ کا نام دیا گیا اور یورپی زبانوں میں اور خصوصی طور پر انگریزی میں الجبر (Algebra) کے نام سے موسوم ہوا۔ محمد بن موسی کے وطن الخوارزم سے Algorism یا Algorithm جو اعداد کو محرک کرنے کے لئے جزئیات ہیں اُسی کے وطن یا صوبہ ہی سے موسوم ہوئے۔ اسکے علاوہ محمد بن موسیٰ نے عربی اعداد کو

زاویوں میں Angles کی بنیاد پر ایجاد کیا۔اس سے قبل ابجد اور رومن اعداد کے طریقہ کار کو بہت آسان کر دیا۔ یہ اعداد کس طرح ظہور پزیر ہوتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

A : ایک زاویہ جو بتدریج تبدیل ہو کر عدد 1 بن گیا

Z : دو زاویے جو بتدریج تبدیل ہو کر عدد 2 بن گیا

3 : تین زاویے جو بتدریج تبدیل ہو کر عدد 3 بن گیا

4 : چار زاویے جو بتدریج تبدیل ہو کر عدد 4 بن گیا

5 : پانچ زاویے جو بتدریج تبدیل ہو کر عدد 5 بن گیا

6 : چھ زاویے جو بتدریج تبدیل ہو کر عدد 6 بن گیا

Z : سات زاویے جو بتدریج تبدیل ہو کر عدد 7 بن گیا

8 : آٹھ زاویے جو بتدریج تبدیل ہو کر عدد 8 بن گیا

9 : نو زاویے جو بتدریج تبدیل ہو کر عدد 9 بن گیا

صفر کی ایجاد سب سے پہلے الخوازمی نے صفر کو متعارف کرایا۔اس سے پہلے عرب بجائے صفر کے ایک نقطہ (dot) لکھتے تھے اور اب بھی یہ نقطہ رائج ہے۔

''ب'' کے نقطے میں سمٹ کر رہ گئی سب کائنات
''میم'' کا پردہ ہٹا تو ذاتِ یزداں کی طرف

صفر کے معنی عربی میں خالی کے ہیں جیسے فرانسیسی زبان میں (Chiffet) جرمن میں (ziffer) اور انگریزی میں (Cipher) بدل دیا اسی طرح Zero عربی لفظ سے ماخوذ ہے جو خالی کے معنی میں آتا ہے۔الخوارزمی کی انہی ایجادات کو عربی ریاضی دانوں نے خوب ترقی دی اور اس کے بعد یورپ کے ریاضی دانوں نے مزید ترقی دے کر علم ریاض میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔الخوارزمی کا علم الجبر Algebra موجودہ دور کے سائنسی تحقیقات کے لئے ریڑ کی ہڈی کا مقام رکھتا ہے۔دور جدید کے کمپیوٹر کی بنیاد ہے۔

عشق کی تقویم میں سالِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

(حوالہ جات : تاریخ طب، وضیات الاعیان، قرون وسطیٰ، مسلمانوں کے سائنسی کارنامے۔ریاضیات کی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ، بشیر احمد خان غوری علیگڈھ، حکمائے اسلام۔اعظم، ریڈرس ڈائجسٹ 1966، اخبار دکن، کرانگل وغیرہ وغیرہ)

وہ شہید شوقِ آزادی و غازی و جواں جو بدلنا چاہتا تھا نقشۂ ہندوستاں

پاسدارِ وطن ٹیپو شہید کی یاد میں

از: رافعیہ سعادت یم اے (علیگ)
بنشنکری سکینڈ اسٹیج، بنگلور ۷۰
موبائل 9845462748

زمانے کا تعین جب وقت کے ساتھ کیا جاتا ہے تو ہماری بصیرت افروز نظریں دیکھتی ہیں کہ زمانے کے افق پر کتنے ہی تابندہ ستارے ابھرے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی تابندگی آنے والی نسلوں کی رہنمائی کے لئے باقی رکھ گئے۔ گوکہ زمانہ بدل گیا وقت گزر گیا مگر ان کے نقش پا حیات کی شاہراہ پر مثبت ہو کے رہ گئے۔ صحیفہ ٹیپو سلطان صفحہ 10 مصنف محمود خان محمود مارٹین پوچھتے ہیں، کہ صرف سو سوا سو سال کے اندر اندر ہندوستان نے ان جلیل القدر ہستیوں اور خصوصاً ٹیپو سلطان اور ان کے کارناموں کو کیوں بھلا دیا؟۔ جواب بھی آپ نے اسی طرح دیا ہے، یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی تھی جس نے ملک کی ذہنیت کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ وجوہات چاہے کچھ بھی ہوں حکومت کی پالیسی جبر و استبداد کی بنیاد پر ہی کیوں نہ رکھی گئی ہو، یا تاریخ متصابانہ رنگ میں پیش کی گئی ہو۔ حقائق سے چشم پوشی زیادہ دیر تک نہیں کی جا سکتی جس طرح لہو آستین کا پکار اٹھتا ہے اسی طرح حق و انصاف کی آواز کو زمانے کے کسی دور میں دبایا نہیں جا سکتا۔ وقتاً فوقتاً صدائے تحسین یا دش بخیر بن کر ایوان رنگ و بو میں کسی نہ کسی کی زبانی گونجتی رہتی ہے۔ ان کے کارہائے نمایاں ان کی زندگی کے قابل رشک گوشے تحقیق کی صورت میں ہو یا توصیف کی گاہے ماہے ہر نئی نسل پر عیاں ہوتے رہتے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کے مصداق صدیوں میں کوئی اقبال پیدا ہوتا ہے، صدیوں میں کوئی ٹیپو پیدا ہوتا اسی طرح صدیوں میں کوئی محمود خان محمود کو اپنے صحیح خدوخال میں پیش کر سکتا ہے۔ ہمیں ان کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ان کا ذوقِ تاریخ دانی نہ صرف ادبی سرمایہ میں قابل قدر اضافے کا باعث بنا۔ بلکہ اپنے وطن کے ایک عظیم الشان فرماں روا کی مکمل تاریخ اور اس کی خداداد سلطنت کا نقشہ بھی ہمارے سامنے آ گیا جو بیک وقت ایک بے مثال محب وطن اور دین اسلام کا سچا شیدائی تھا۔

محمود خان محمود کی شہرہ آفاق تصانیف ''سلطنت خداداد'' اور صحیفہ ٹیپو وغیرہ کا جب ہم عمیق نظروں سے مطالعہ کرتے ہیں تو ٹیپو کا جذبۂ حریت اپنی پوری تابانی کے ساتھ اس کے زندگی کے ہر رخ کو منور کرتے ہوئے اپنے صد رنگ جلوؤں کا مظہر بنا ابھرتا ہے۔مورخ نے سیادت اور سیاست کی روشنی میں جہاں جہاں حیاتِ ٹیپو کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے اس کی زندگی کا ہر پہلو ہر حرکت ایک مخصوص زاویہ نظر ایک خاص جذبہ کی غماز ہے۔اور یہی وہ جذبۂ حریت ہے جس کی روح ٹیپو کے ہر فعل میں کارفرما ہے، ہر موڑ پر اس کی پشت پناہی کرتا ہے۔وہ اس زبردست روحانی قوت سے ہر جگہ مغلوب نظر آتا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے یہی اس کا نسب العین تھا۔یہی اس کا مطمح نظر ہے۔اس کی زیست کا مقصد، وہ میدانِ کارزار ہو یا حکومت کا نظم ونسق، رعایا کی خوشحالی کے لئے قوانین کا نفاذ ہو یا باغیوں کی سرکوبی، وہ ہر کام پر ایک ایسا پرجوش مبلغ ہے جس کا واحد مقصد ہی دین اسلام کی تبلیغ واشاعت ہے، اس کی ہر کارگردگی اخوت ومساوات کا کامل نمونہ ہے۔اس کا جذبۂ ایمانی ہر شعبۂ زندگی میں نمایاں ہے۔

وہ ایک عدیم الفرصت باوجود ذمہ داریوں کے گراں بار بوجھ کے دین کا یہ متوالہ احکامِ الٰہی سے کبھی بے خبر نہ رہا۔ذرا اس کے تقوے کا عالم دیکھیئے مسجدِ اعلیٰ کی تعمیر پائے تکمیل کو پہنچتی ہے، سوال اٹھتا ہے افتتاح کا بہ الفاظ دیگر پہلی امامت ایسے شخص کے ہاتھوں عمل میں آئے جس نے اپنی زندگی کی کوئی نماز قضا نہ کی ہو۔عمائدین شہر جمع ہیں، مقدس ومقتدر ہستیوں کا اجتماع ہے لیکن اس شرعی فریضہ کی سختی سے پابندی اور پارسائی کا کوئی دعویدار نہیں۔احیائے مذہبی کا کوئی پاسدار نہیں۔اپنے وقت کا یہ مردِ مجاہد آزادی کا جانباز محافظ جس کی ہر ادا سرفروشانہ تھی جس کی زندگی کا بیشتر حصہ شمشیر زنی میں گزر گیا۔اس دعویٰ کے ساتھ کہ جب سے اس کا شعور جاگا ہے۔اس کی جبین نیاز اس خالق حقیقی اور کردگارِ بے نیاز کے حضور کبھی زمین بوس ہونے سے غافل نہ رہی۔وہ مردِ آہن جس کی ہمتِ مردانہ نے اہل فرنگ کو لرزہ براندام کر دیا تھا۔جس کی شجاعت ان کی راہ میں سدِ سکندری بنی ہوئی تھی۔جس کی مجاہدانہ شان کے سبب ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا تھا۔اس کے توکل علی اللہ کی یہ کیفیت تھی کہ جب وہ انگریز سے برسرِ پیکار ہو کر فتح وکامرانی کے جھنڈے گاڑتا ہے تو اسے اپنی ذاتی کامیابی نہیں قرار نہیں دیتا بلکہ اس کو خدائے برتر کا فضل وکرم سمجھتا ہے۔اطلاع دی جاتی ہے کہ خدا کے فضل وکرم اور پیغمبر ﷺ کی برکت سے اسلامی سواروں کے گھوڑوں کے سموں نے تیرہ بخت اعدائے دین کو اس طرح کچلا ہے کہ ان کی حالت نہایت شکستہ وزبوں ہوگئی ہے۔

وہ ملت اسلامیہ کے اتحاد کا نقیب تھا۔اسلام کے تحفظ کے لئے اسکو انتہائی ضروری سمجھتا تھا۔اس کی خاطر کبھی نظام حیدرآباد کو آواز دیتا ہے۔میں یعنی ٹیپو سلطان مسلمانوں کو تقویت دینا اور اپنا جان و مال خدا کے سچے مذہب اسلام پر نثار کر دینا چاہتا ہوں، ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کو میرا ساتھ دینا چاہیئے، نہ یہ کے میرے خلاف بت پرستوں کا ساتھ دیں جیسا کہ نظام حیدرآباد بار بار پیشوائے پونا کا ساتھ دیتے ہیں۔ اقتصاد یہ تھا کہ وہ میری طاقت کو اپنی طاقت سمجھ کر رہے۔اس کا بڑا سبب انگریزوں کی عقل مندی ہے جو نظام حیدرآباد کو مجھ سے ملنے نہیں دیتی۔(نشانِ حیدری)

اسی جذبہ کے تحت وہ بار بار انہیں خیالات کا اظہار کرتا ہے۔یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کی مذموم حرکات اور گھناؤنی سازشوں سے غداری کی بو آرہی ہے۔انہیں باور کرانا چاہتا ہے کہ ان کا جینا اور مرنا اسلام کی بقا اور تحفظ کے لئے ہے۔مسلمانوں پر جو برا وقت آیا ہے اس کا بڑا سبب سلطنت ہندوستان (دہلی) کی کمزوری ہے۔اگر مسلمان اب بھی متحد ہو جائے تو اگلی شان وشوکت پھر آسکتی ہے اور ان انگریزوں کو کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔لہذا امیرانِ اسلام کو ایسی کاروائی نہ کرنا چاہئے کہ روزِ فردا میں، میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمسار ہوں۔

کبھی شاہ عالم دہلی کو متوجہ کرتا ہوں، یہ خادم اسلام دین محمدی کی حمایت میں نصرانیوں کی سرکوبی میں مصروف ہے خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اس خادمِ دینِ محمدی کی خواہش کہ دشمنانِ دین سے جنگ کرے اور ان کو مٹا دے۔حتیٰ کہ اسلامی مملکتوں میں بھی اس کا پیغام گونج اٹھا ہے۔وہ والیانِ ترکی، بصریٰ، ایران، افغانستان اور یمن وغیرہ سے مخاطب ہو کر شریعت کے دائرہ میں جہاد کی ترغیب دیتا ہے۔افسوس تنزل عالم اسلام کا مقدر بن چکا تھا۔سیاسی ریشہ دوانیوں نے اس کی پکار کو صدا بہ صحرا کر دیا۔

وہ انگریز کے بڑھتے ہوئے قدموں میں پایہ اسلام کے ڈگمگاہٹ کو دیکھتا ہے اور اپنی پوری قوت سے ان کا قلع قمع کرنے پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔اس کو بخوبی احساس تھا کہ مسلمانوں پر دورِ انحطاط طاری ہے، اور عالم اسلام زوال پزیر ہے۔اسلئے وہ اعلانِ جہاد بلند کرتا ہے۔اور ولولہ انگیز انداز میں خداوندی ارشادات کے پیش نظر قرآن پاک کے حوالے سے مسلمانوں کو للکارتا ہے کہ وہ فرنگیوں کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں جو اس کی نگاہ میں دشمنِ دین تھے۔یہ ہماری دلی خواہش ہے اور پکا ارادہ ہے کہ ان نا قابل اعتماد اور سرکش لوگوں سے جنہوں نے مسلمانوں سے اپنی گردن موڑ کر بغاوت کا علم بلند کیا ہے اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک وہ اسلام کی سیدھی راہ قبول کر لیں، یا جزیہ دینا قبول کر لیں، خصوصاً

وہ ملت اسلامیہ کے اتحاد کا نقیب تھا۔ اسلام کے تحفظ کے لئے اسکو انتہائی ضروری سمجھتا تھا۔ اس کی خاطر کبھی نظام حیدر آباد کو آواز دیتا ہے۔ میں یعنی ٹیپو سلطان مسلمانوں کو تقویت دینا اور اپنا جان و مال خدا کے سچے مذہب اسلام پر نثار کر دینا چاہتا ہوں، ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کو میرا ساتھ دینا چاہیئے، نہ یہ کے میرے خلاف بت پرستوں کا ساتھ دیں جیسا کہ نظام حیدر آباد بار بار پیشوائے پوزا کا ساتھ دیتے ہیں۔ اقتصاد یہ تھا کہ وہ میری طاقت کو اپنی طاقت سمجھ کر رہے۔ اس کا بڑا سبب انگریزوں کی عقل مندی ہے جو نظام حیدر آباد کو مجھ سے ملنے نہیں دیتی۔ (نشانِ حیدری)

اسی جذبہ کے تحت وہ بار بار انہیں خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کی مذموم حرکات اور گھناؤنی سازشوں سے غداری کی بو آرہی ہے۔ انہیں باور کرانا چاہتا ہے کہ ان کا جینا اور مرنا اسلام کی بقا اور تحفظ کے لئے ہے۔ مسلمانوں پر جو برا وقت آیا ہے اس کا بڑا سبب سلطنت ہندوستان (دہلی) کی کمزوری ہے۔ اگر مسلمان اب بھی متحد ہو جائے تو اگلی شان و شوکت پھر آسکتی ہے اور ان انگریزوں کو کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ لہذا امیرانِ اسلام کو ایسی کاروائی نہ کرنا چاہیئے کہ روزِ فردا میں، میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمسار ہوں۔

کبھی شاہ عالم دہلی کو متوجہ کرتا ہوں، یہ خادم اسلام دین محمدی کی حمایت میں نصرانیوں کی سرکوبی میں مصروف ہے خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اس خادمِ دینِ محمدی کی خواہش کہ دشمنانِ دین سے جنگ کرے اور ان کو مٹا دے۔ حتیٰ کہ اسلامی مملکتوں میں بھی اس کا پیغام گونج اٹھا ہے۔ وہ والیانِ ترکی، بصریٰ، ایران، افغانستان اور یمن وغیرہ سے مخاطب ہو کر شریعت کے دائرہ میں جہاد کی ترغیب دیتا ہے۔ افسوس تنزل عالم اسلام کا مقدر بن چکا تھا۔ سیاسی ریشہ دوانیوں نے اس کی پکار کو صدا بہ صحرا کر دیا۔

وہ انگریز کے بڑھتے ہوئے قدموں میں پایہ اسلام کے ڈگمگاہٹ کو دیکھتا ہے اور اپنی پوری قوت سے ان کا قلع قمع کرنے پر کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ اس کو بخوبی احساس تھا کہ مسلمانوں پر دورِ انحطاط طاری ہے، اور عالم اسلام زوال پزیر ہے۔ اسلئے وہ اعلانِ جہاد بلند کرتا ہے۔ اور ولولہ انگیز انداز میں خداوندی ارشادات کے پیش نظر قرآن پاک کے حوالے سے مسلمانوں کو للکارتا ہے کہ وہ فرنگیوں کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں جو اس کی نگاہ میں دشمنِ دین تھے۔ یہ ہماری دلی خواہش ہے اور پکا ارادہ ہے کہ ان نا قابل اعتماد اور سرکش لوگوں سے جنہوں نے مسلمانوں سے اپنی گردن موڑ کر بغاوت کا علم بلند کیا ہے اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک وہ اسلام کی سیدھی راہ قبول کر لیں، یا جزیہ دینا قبول کر لیں، خصوصاً

اس وقت جب کہ ہندوستان کے حاکموں کی کمزوریاں دیکھ کر اس قوم نے یہ بیہودہ خیال قائم کرلیا ہے کہ مسلمان کمزور بزدل اور لائق نفرت ہوگئے ہیں۔انہوں نے صرف اسی پر اکتفانہیں کیا بلکہ جنگی تیاریاں کر کے مسلمانوں کے علاقوں پر چڑھ دوڑے ہیں اور اپنے ظلم وزبردستی کا ہاتھ مسلمانوں کے مال وآبرو پر دراز کرنا شروع کر دیا ہے۔اسلیئے ہم نے خدا کی طاقت اور تاعید پر بھروسہ کرتے ہوئے احکام خداوندی پر سر جھکاتے ہوئے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ ان سے جہاد کریں۔''فتح المجاہدین'' کے اس مخصوص باب کو ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر اس نے نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے میں تقسیم کیا بلکہ اسلامی مملکتوں کو بھی اس کی کاپیاں روانہ کیں تاکہ ہر مسلمان جہاد کے معنی کو اپنا مقدم اور اولین فرض سمجھتا ہے۔اسی لئے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اس کو جاری رکھا۔

وہ اللہ کا سپاہی تھا، شیر بن کر صفحہ ہستی پر نمودار رہا۔تاحیات شیر جیسی دلیری اور جوانمردی کا ثبوت دیا۔غلامانِ زندگی کو شیر کی ایک روزہ زندگی پر ترجیح دیتے ہوئے لڑتے لڑتے موت کا جام پی گیا۔

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

وہ اپنی جنگی مہارت کا بھی علم رکھتا تھا اور ملکی معاملات میں اپنی فراست اور تدبیر سے بھی آگاہ و وسیع اختیارات کا مالک ہے۔آزاد وخودمختار ہے لیکن مطلق العنانی بالکل نہیں، بے پناہ و بے اندازہ مال و دولت اپنے تصرف میں رکھتا تھا مگر شمہ برابر بھی فضولیات میں ضائع کرنا ناجائز ہی نہیں باعث ننگ سمجھتا ہے۔ہندوستان میں نیابت الٰہی کا حق جس انداز سے اس شیر دل سلطان نے ادا کیا شاید ہی کسی اور حکمران نے ادا کیا ہو۔وہ اخلاق کا سرچشمہ تھا۔شمع ہدایت تھا، قابل تقلید تھا تلقین سے پہلے خود کو اسلامی سانچے میں ڈھال چکا تھا۔

ایک چھوٹی سی ریاست کا یہ جلیل القدر شہنشاہ اپنے ہی آئینہ میں اپنی رعایا کو بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ان کی فارغ البالی کے ساتھ ساتھ ان کے افعال وکردار پر بھی اس کی نظر گہری اور کڑی رہتی ہے۔جہاں کہیں ان سے بداخلاقی سرزد ہوتی ہے اور بداعمالی کا احتمال ہوتا ہے فوری طور پر ان کی سرزنش سزا کے احکام، اصلاحی اقدامات کے لئے فرامین جاری کئے جاتے۔اور انہیں اخلاقی پابندیوں میں اس طرح جکڑ دیا جاتا کہ مفر کی کوئی راہ سوجی نہیں جاتی۔

بہادر فوج کسی بھی ملک کی طاقت وتوانائی ہوتی ہے۔فوج کا اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہوجانا، جسمانی طور پر ناکارہ

ہوجانا اور زیورِ شجاعت سے محروم ہونا ہی نہیں بلکہ سلطنت کی بنیادوں کو بھی کمزور کرتا ہے، آپ کو چاہئے کہ اپنے کیمپ میں یک سے زیادہ شراب کی دکان کی اجازت نہ دیں اور اس دکان پر ایک پہرہ مقرر کر دیا جائے کہ سوائے یورپین لوگوں کے جو آپ کے ماتحت ہیں، دیسی باشندوں کے ہاتھ شراب فروخت نہ کریں۔ بلاشبہ ٹیپو کے اس طریقہ حکمرانی اور اس کے زریں اصولوں پر عمل درآمد پر قرونِ اولیٰ کے مسلمان اسوۂ حسنہ کا گمان ہوتا ہے جو آئین جہاں مانی و جہاں داری کے علمبردار تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد دنیا میں زبردستی واقتدار پرستی کی رسہ کشی اور ملوکیت نے بری طرح مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ حق و باطل کی متعدد معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ خیر وشر کی خاطر روئے زمین بے گناہ انسانوں کے خون سے سرخ ہوتی رہیں۔ سلاطین و شہنشاہ سازشوں کا شکار ہوتے رہے۔ اس طرح دنیا کا حکمران ہنگاموں سے بنرآزما ہوتا رہا ،کوئی سرخرو ہوکے نکل گیا، کسی کو سازشوں کے جال نے نگل لیا۔ سلطان ٹیپو کا وجود بھی ایسے ہی تانے بانے سے بنا ہوا تھا ،اس کی ذات کو بھی حدف ملامت بنایا گیا، اعترازات کی بوچھاڑ کی گئی اس کی حد سے زیادہ مذہب پرستی کے پیش نظر اس کو سخت گیر حاکم قرار دیا گیا۔ علاوہ ازیں بہتان تراشی کی انتہا یہ ہوئی کہ تاریخی شواہد کو نظر انداز کر کے حالات کا تفصیلی مطالعہ کیئے بغیر سطحی باتوں پر یقین کرتے ہوئے اس کو متعصب اور جابر حکمران بھی کہا گیا۔

عرض مدعا یہی ہے کہ ایسی ہستیاں کبھی بھلائی نہیں جاسکتی یہ وقت کی پکار اور زمانے کے انمول اور انمٹ یادگار ہیں۔ بقول شاعر ملت علامہ اقبال ''جنوبی ہندوستان میں جیسا کہ خود میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ اس عالی مرتبت مسلمان سپاہی کی قبر زندگی رکھتی ہے، بہ نسبت ہم جیسے لوگوں کے جو بظاہر زندہ ہیں یا اپنے آپ کو زندہ ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں''۔ ایسی زندۂ جاوید ہستی سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے واقفیت، علمیت اور قابلیت ہی نہیں جذبِ حریت چاہئے۔ شہید کی تربت پاک کی زیارت چاہئے۔ اس مقولے کا اعادہ چاہئے ''گیڈر کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک روزہ زندگی بہتر ہے'' جو اس ایمان افروز زندگی کا محور ہے یقیناً محمود خان محمود کا یہ دعویٰ بے جا نہیں۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا پہلا علمبردار بھی یہی سلطانِ ذی الشان ہے جو خاکِ سری رنگا پٹنم میں سو رہا ہے۔

آں شہیدانِ محبت را امام

آبروئے ہند و چین روم و شام

''موجودہ حالات اور ہم''

فریدہ رحمت اللہ، یم اے اردو، یم اے پالیٹیکل سائنس

مدیرہ ماہنامہ زرین شعائیں، بنگلور

پرنسپل ہولی مدرس گروپ آف اسکولس، بنگلور

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے مکمل دین ہے۔ انسانوں کے درمیان تفریق وامتیاز کا مخالف ہے۔ بنی نوع انسان کے لئے باعث رحمت ہے۔ کمزوروں کا محافظ اور مظلوموں کا ہمدرد ہے۔ قبل اسلام عورت کا شمار بھی کمزور مخلوق میں ہوتا اور مکمل ہمدردی کی مستحق تھی۔ اسلام نے عورت کی معاشی حیثیت کو مضبوط بنایا۔ سوائے اسلام کے دنیا کے سارے مذاہب نے عورت کو معاشی اعتبار سے مفلوک الحال بنایا ہے۔ سورۂ نساء، سورۂ مریم، سورۂ بقرہ، سورۂ مجادلہ میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے خواتین اسلام کا ذکر کیا ہے۔ عورت کے مرتبے کی عظمت پہچاننے ایک مرتبہ ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ''والدین میں حسن واخلاق کا کون زیادہ مستحق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ماں ہی کا نام لیا چوتھی بار باپ کہا تھا۔ اسی لئے کہا گیا ہے ماں کے قدموں کے نیچے جنت اور باپ جنت کا دروازہ ہوتا ہے۔

لیکن افسوس اس قدر بلندیاں اور اونچا مقام ہونے کے باوجود عورت دور غلامی میں دور جاہلیت میں جس طرح ذلیل ورسوا تھی۔ یہی دور بعد واپس ہو رہا ہے۔ موجودہ معاشرے میں آزادی کے نام پر جدیدیت کے نام پر ترقی کے نام پر ہر جگہ عورت کا استحصال کیا جارہا ہے۔ آج دوبارہ عورت نیلام کی جارہی ہے۔ آج پھر عورت کا سودا ہو رہا ہے۔ کتنے شرم کی بات اور افسوس کا مقام ہے۔ سماج میں اس قدر انہونیاں ہونے لگی ہیں عورت دوبارہ مرد کے ہاتھوں کھلونا بنی جارہی ہے۔ گھر کے اندر اور گھر سے باہر عورت مظالم کا شکار ہو رہی ہے۔ آج دوبارہ وہ دور آگیا ہے بیٹیوں کو پیدا ہونے سے قبل ماں کے پیٹ ہی میں قتل کیا جارہا ہے۔ اس کی وجہ جہیز بھی ہے۔ جہیز کا اسلام میں کوئی وجود ہی نہیں پھر بھی آج جہیز کی وجہ سے سینکڑوں لڑکیاں عمر عزیز کی دہلیز پار کر چکی ہیں۔ جہیز ہمارے سماج کا کینسر ہے۔ موجودہ نسل کی صحیح تربیت سے صحیح جانکاری سے جہیز جیسے مرض کا علاج ممکن ہوسکتا ہے۔

اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس کی ابتداء بھی علم ہے اور انتہا بھی علم ہے۔ اسلام کی بنیاد ہی اقراء یعنی پڑھ ہے۔ اسی لئے علم حاصل کرنا مسلمان مرد اور عورت کا بنیادی فرض ہے۔ اسلام میں علم کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اگر دشمن کے پاس علم ہے تو اسے حاصل کرنے میں تردد نہیں کرنا چاہئے۔ یہاں تک کہ اگر دشمن عالم ہو تو اس کی استاد کی حیثیت سے خدمت بھی

کی جائے۔ تعلیم اور معیاری تعلیم ہی انسان کی ترقی کا واحد ذریعہ ہے۔ عورت ہو یا مرد تعلیم فرض ہے۔ عورت کا تعلیم حاصل کرنا ایک نسل کی تعلیم ہے۔ مشہور کہاوت ہے جو ہاتھ جھولا جھلاتے ہیں لوری سناتے ہیں وہی ہاتھ دنیا پر حکومت بھی کر سکتے ہیں۔

مولانا سے کسی انگریز خاتون نے دریافت کیا تھا "عورت کے متعلق آپ کا کیا نظریہ ہے"۔ مولانا نے جواب دیا کہ میں صرف چار قسم کی عورتوں کو جانتا ہوں۔ ماں بہن بیوی اور بیٹی۔ مسلم معاشرے کا ظہور دنیا میں بھلائی قائم کرنے کے لئے ہوا ہے۔ اپنے وجود کے آنے پلنے میں ماں اثر انداز ہے۔ انسانی محبت کا مظہر ماں اور بہن ہے۔ زندگی کی گاڑی کھینچنے وجود انسانی اور نشو نما میں بیوی کارفرما ہے۔ لیکن ان تمام عنایتوں کے بعد آج کے سماج و معاشرے میں اس کی حیثیت کیا ہے، مساوات کس حد تک جائز، مساوات آزادی مقام مرتبہ یہ تمام عنایتیں اسلام نے عورت کو عطا کئے ہیں۔ اسلام نے عورتوں کو سماجی وسیع تمدنی معاشی معاشرتی اور ایک حد تک سیاسی حقوق بھی عطا فرمائے۔ معاشرہ اور سماج میں عزت اور شرف کے تمام مراتب پر فائز فرمایا ہے۔ دیکھئے اور سوچئے اتنا ہی نہیں بلکہ ان مراتب کی حفاظت کے لئے اخلاقی اور قانونی ہدایات میں پائیدار ضمانتیں مہیا کی ہیں۔ اسلام نے عورت کو رحم مجسم ممتا بنا کر پیش کیا وہ ماں جس کے قدموں کے نیچے جنت رکھ دی اور کہا گیا، باپ جنت کا دروازہ ہے، پستیوں سے نکال کر بلندیاں عطا فرمائیں۔ لڑکی کی پیدائش کو باعث خیر و برکت اور موجب بتایا گیا۔ اسلام نے عورت کو وہ تمدنی حقوق بھی عطا فرمائے جو ایک عورت کی شخصی وقار اور عظمت میں اضافہ کرتے ہیں۔ اسلام نے وراثت میں عورت کو شریک کیا۔ یوم عرفہ کے خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتونِ اسلام کو فراموش نہیں کیا۔ کہا عورت کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اسلام کا دستور حیات مرد اور عورت کو اپنے اپنے دائرہ میں یکساں حقوق عطا کرتا ہے۔ دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے کہ کسی بھی مذہب نے عورت کو وہ مقام وہ بلندیاں عزت واحترام نہیں بخشا ہے جو اسلام نے دیا ہے۔ ایک امریکن رائٹر مسٹر لیکھ لکھتے ہیں " آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے سلسلے میں (صنف نازک) کے لئے بہت ہی مہربان اور رحیم تھے"۔ ایک اور مشرقی مسٹر انڈ وسر لکھتا ہے "جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت وشفقت عورتوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہے اس کے لئے جمعۃ الوداع کا خطبہ کافی ہے"۔ عزیز وطن کے سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی نے کہا تھا اسلامی قانون ہمارے قانون سے بڑھ کر خواتین کے حقوق اور مفادات کا ضامن ہے۔ نپولین نے کہا تھا مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں اچھی قوم دوں گا۔ لیکن موجودہ دور میں ماؤں کا کردار بھی ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ علامہ اقبال نے اسے بہت پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ اسی لئے تو یہ شعر کہا ہے۔

تنظیم قوم کی تم کو منظور ہے اگر
بچوں سے پہلے ماؤں کو تعلیم دیجئے

تعلیم یافتہ اور باشعور خواتین کا فرض ہے کہ قرآن حکیم کی روشنی میں اپنے حقوق کو پہچانیں۔اپنے وقت کا صحیح استعمال کریں۔آج کے مادی دور نے انسان کی سوچ کو فلاش بنا کے رکھ دیا ہے۔آج کے ماحول میں لباس کو بے لباس کیا جا رہا ہے۔کبھی تنگ دستی میں پھٹے لباس کا استعمال ہوتا تھا،لیکن آج یہ فیشن بن گیا ہے۔آج لباس کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں۔آج لباس ہی کہاں جسم پر ایک آدھ میٹر کپڑا لپیٹ لیا جاتا ہے،یہ ترقی ہے یا تنزلی،ہم مغرب کی اندھا دھند تقلید میں اندھے ہو رہے ہیں۔ہمیں پتہ ہی نہیں اس تقلید سے ہم اپنی بصارت وبصیرت کھو رہے ہیں،جھوٹی انا کے آگے اپنی انمول وراثت کو بھول رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ گھروں میں سکون چین لٹ گیا ہے۔آج کے رشتے پیار مصنوعی اور لمحاتی بن کر رہ گئے ہیں،آج معاشی حالات میں سدھار نہیں۔اقتصادی حالات جوں کے توں۔آج بھی ہر گھر میں انتشار ہے۔مسلمان وہ قوم ہے جس کی ماؤں بیٹیوں پر قوم وملک کو ناز تھا۔اس کی کامیاب مثالوں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔اسی لئے کہا گیا ہے ایک مرد کی تعلیم فردِ واحد کی تعلیم ہے جبکہ ایک لڑکی کی تعلیم ایک نسل کی تعلیم ہے۔گھروں میں خاندانوں میں عصری اور دینی تعلیم کو لازمی بنائیں کیونکہ دنیاوی تعلیم تو ہنر ہے لیکن دینی تعلیم مشعلِ راہ ہے۔آزادی کے 67 سال بعد بھی مسلمان تعلیمی میدان میں پچھڑے ہوئے ہیں جس مذہب کی بنیاد اقراء بسم ربک الذی سے ہوتی ہے یعنی پڑھ وہاں پر تعلیم نہ ہو تو شرمندگی کا باعث ہے۔اتنے سال کا جائزہ لیں تو آج تک بھی مسلمان اپنی جان ومال عزت آبرو کا تحفظ مکمل طور سے نہیں کر پا رہے ہیں اس کی اولین واحد وجہ ناخواندگی ہے۔آج بھی ڈراپ آوٹ ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔اس کی کئی وجہ ہو سکتی ہیں،اولین تو اردو اسکول کا ماحول یہاں کے اساتذہ کرام کا برتاؤ اور معیار تعلیم قابل رحم حد تک افسوس ناک ہوتا ہے۔بعض غریب والدین معاشی مجبوری کی وجہ ہی سے اپنے نونہالوں کے لئے اردو اسکول کی طرف رخ کرتے ہیں۔پرائمری اور ہائر پرائمری کے بعد بھی نہ ہی بچے کے اخلاق میں سدھار ہوتا ہے اور نہ ہی بچہ کچھ سیکھ پاتا ہے،ایسے میں ساتویں جماعت سے قبل کئی طلبہ ڈراپ آوٹ۔یہ تمام طلبہ اگر لڑکیاں ہیں تو اگربتی کا کارخانہ یا گارمنٹس میں چھوٹے موٹے کام میں لگ جاتی ہیں۔ایک آدھ گھروں میں House maid نوکرانی کے کام میں اپنی عزیز بچپن اور لڑکپن گنوا دیتی ہیں۔اگربتی کی فیکٹری میں کام کرنے والی لڑکیاں اپنی صحت گنوا بیٹھتی ہیں۔لڑکے سائیکل شاپ میں میکانک کا کام کرتے اور سیکھتے ہیں لیکن افسوس تو اس بات پر ہوتا ہے کہ ان بچوں کا بچپن اور اخلاق دونوں تباہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔اس کے لئے ذمہ دار اساتذہ کرام،والدین اور معاشرہ ہوتا ہے۔

اقوام متحدہ نے 1989 میں بچوں کے حقوق کے متعلق ایک کانفرنس میں منظور کیے گئے قانون کی 18 میں کہا تھا کہ بچوں کو مالی استحصال یا خطرے والے کام سے بچانا ہے جو ان کے دماغی وجسمانی صحت پر غلط اثر ڈالتا ہے۔Unicef کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں تیس کروڑ بچے مزدور ہیں۔ان میں ایشیا میں 22% فیصد،افریقہ میں 32% فی صد اور امریکہ میں ایک فی صد بچہ مزدور ہے۔صرف 11 کروڑ بچے ریلوے پلاٹ فارم اور اس کے آس پاس رہتے

ہیں۔26لاکھ بچے ڈھابوں میں کام کرتے ہیں۔ملک میں 10فی صد بچہ مزدورلڑکیاں ہیں۔ان میں زیادہ تعداداسکول سے ڈراپ آوٹ کی ہوتی ہیں۔75ہزار سے زائد بچے تین برس سے لاپتہ ہیں،آج جبکہ ملک عزیز میں مفت تعلیم بل نافذ ہو چکا ہے۔تعلیم حاصل کرنا ہر بچے پر بنیادی لازمی حق ہے۔ان حالات اور قانون سے اور حکومت کی طرف سے نافذ بے شمار مفت اسکیموں سے اقلیتیں کافی سے زیادہ فائدہ اٹھا کر معاشی حالات میں سدھار لا سکتے ہیں۔ساتھ میں بچے کو جماعتوں میں آنے بیٹھنے اور سیکھنے کے لئے جماعتوں کو دلچسپ بنائیں۔اسکولس میں طلبہ کے ساتھ پیشہ وارانہ برتاؤ کریں بلکہ طلبہ کے ساتھ اعتدال کا مقابلہ کریں۔اسکول میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا نظم بھی رہے۔کیونکہ امت میں اور امت کے مسائل اس وقت تک حل نہیں ہو سکتے یا اس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک وہ قرون اولیٰ کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ہمارے ہاں ایک بے حد خوبصورت ذریعہ ہے وہ ہے مساجد،خاص کر جمعہ کا خطبہ موجودہ مسائل سے متعلق رہے تو اس کے بہترین نتائج نکل سکتے ہیں،کیونکہ امام صاحب اور خطیب حضرات علمائے کرام کی باتیں قوم پر کافی اثر انداز ہوتی ہیں۔اس کے مثبت پہلو نکلتے ہیں آج جبکہ نئی نسل تہذیب سے تمدن سے ثقافت سے کٹ رہی ہے،من مانی پر آمادہ ہے،یہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔اس کا علاج ضروری ہے۔صلاح الدین ایوبی نے کہا تھا''باوقار قوم کی طرح زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنی روایات کو نہ بھولو'۔تمہاری دولت تمہارا کردار اور ایمان ہے،اور آگے کہتا ہے میری قوم کے بیٹو اپنے کردار کو محفوظ رکھو تم قوم کا مستقبل ہو۔'' یہ وہ جیالے تھے جنہوں نے مستقبل کی فکر کی،قوموں کے درد کو لے کر جیتے تھے،اور اسی درد کو لے کر وداع ہوئے۔نئی نسل کو مطالعے پر زور دینا چاہئے،اپنی کورس کی کتابوں کے علاوہ لائبریری میں ایک آدھ گھنٹہ گزاریں اور اچھی کتابوں کا مطالعہ کریں۔مطالعہ کو اپنی زندگی کا حامل بنالیں۔اسی طرح ہر دن قرآن پاک کا مطالعہ کریں بلکہ معنوں کے ساتھ ہی پڑھیں۔آپ سمجھ سکیں کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں۔ورنہ کلام پاک کو طوطا کی طرح رٹنے سے آپ معنی نہ سمجھ سکیں گے۔پھر دیکھئے آپ کی زندگی کس طرح کا حسین بدلاؤ آتا ہے۔طلبہ اسے قوم وملک کے نوجوان بھی کہہ سکتے ہیں۔نوجوان قوم وملک کا مستقبل ہوتے ہیں،وہ اسے روشن بھی کر سکتے ہیں اور آوارہ گردی سے تاریک بھی کر سکتے ہیں۔آج کی نسل ذہین ہے،یقیناً وہ قوم وملک کا بھلا ہی چاہتے ہیں۔قوم وملک پر مرمٹ سکتے ہیں بلکہ اپنے حقوق پہچان بھی سکتے ہیں۔رزاق تو اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے،آپ کے نصیب کا مل کر ہی رہے گا،تعلیم کے ساتھ تربیت نہایت ضروری ہے۔تربیت سے اخلاق بنتے ہیں سدھرتے ہیں اخلاق کے بغیر انسان ناکارہ بن کر رہ جاتا ہے۔حسن اخلاق کامیاب زندگی کی ضمانت ہے یہی وجہ ہے کہ کلام پاک میں اللہ سبحانہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاق کے بارے میں فرماتے ہیں ''اے محمد تم اخلاق کے اعلیٰ نمونے درجے پر قائم ہو'۔تربیت اور حسن اخلاق ہی سے آنے والی نسلیں تعلیم کا مثبت استعمال کر سکیں گے۔ساتھ ہی وقت کی پابندی کو "Discipline punctuality" کو بھی اپنی زندگی کا حصہ بنانا

چاہئے۔مذہب اسلام وقت کا پابند ہے۔دیکھئے ساری کائنات میں اذان ایک ہی وقت میں ہوتی ہے۔اذان کے بعد نماز (صلاۃ) کا وقت مقرر ہے۔اسی وقت آپ کو نماز ادا کرنی ہے، ورنہ نماز قضا ہو جائے گی۔وقت ہاتھ سے نکل جائے گا، وہ وقت پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔اسی طرح رمضان المبارک میں ہی آپ فرض روزہ رکھ سکتے ہیں، رمضان کے بعد وہ رمضان نہیں آنے والا۔زندگی بھر کے روزے رمضان المبارک کا ایک روزے کا بدل نہیں ہوسکتا۔خاص کر طلبہ وقت کی قدر کریں اپنا سنہری دور جو طالب علمی کے زمانے کا دور ہے اسے صحیح مصرف میں لائیں۔مالس، ہوٹلس، سنیما گھر، پارک ، پزہ سنٹرس، کافی ہاؤز وغیرہ میں اپنا قیمتی وقت برباد نہ کریں۔اس وقت کا صحیح استعمال کر کے اپنے پرفامینس کو بہتر بنائیں۔طالب علم یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ایک طالب علم کی حیثیت سے آپ پر کافی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔کالج یونیورسٹی اور سماج و معاشرہ ہی نہیں بلکہ آپ اس ملک کا اور دنیا کا ایک حصہ ہی نہیں بلکہ اس دنیا کے لئے ایک انمول تحفہ ہو۔اس ذمہ داری کو نبھانا یعنی ایک طالب علم کی ذمہ داری ہے۔

آج دنیا سمٹ کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں آگئی ہے۔آج کا دور سوپر ٹکنالوجی اور گلوبلائیزیشن کا دور ہے۔لمحوں میں خبریں اور انسان بھی دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جا سکتا ہے۔لیکن کامیابی کا راستہ حسن اخلاق سے ہی مل سکتا ہے۔اس کے لئے محنت مشقت جدوجہد جاری رکھنی ہے۔اپنی کامیابی کو سنگ میل نہ بنائیں، بلکہ سنگ سفر بنائیں اور یہ سفر جاری رکھیں۔حکومتوں کی کافی اسکیمیں لائی جارہی ہیں جس کے تحت طلبہ کو اسکالرشپ کا انتظام ہے۔تعلیم جاری رکھنے کے لئے قرض بینکوں اور KMDC کرناٹک میں محکمہ اقلیتی بہبود کی طرف سے بھی طلبہ کے لئے آسان قسطوں پر قرضہ حاصل ہوتا ہے۔قوم و ملک کا مستقبل آپ کے ہاتھوں میں ہے۔آج کے طلبہ کل کا ہندوستان ہیں۔اسے سنوارنے اور مضبوط بنانے کی ذمہ داری آپ پر ہے۔قوم کو ایک اور ابولکلام آزاد اور کئی اے پی جے عبدالکلام کی ضرورت ہے، ورنہ یہ کہنا پڑے گا۔

بہت مدت سے کوئی دیدہ ور پیدا نہیں ہوتا
جو ہوتا ہے مسلمانوں کے گھر پیدا نہیں ہوتا
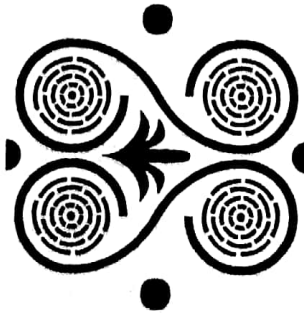
مختصر سوانح حیات

خاتونِ جنت سیدۃ النساء

بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

از: سعادت اللہ خان، یم اے۔ بی ایڈ

اردو ٹیچر، گورنمنٹ گرلس جونیئر کالج، بنگار پیٹ، ضلع کولار، ریاست کرناٹک

ولادتِ باسعادت

سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی تاریخ ولادت کے بارے میں اختلاف ہے۔اس سلسلہ کی مشہور روایات یہ ہیں۔

(۱) آپؓ بعثِ نبوی سے پانچ سال قبل اس زمانے میں پیدا ہوئیں جب قریش خانۂ کعبہ کی ازسرنو تعمیر میں مشغول تھے۔اُس وقت حضورؐ کی عمر مبارک ۳۵ سال کی تھی اور حضرۃ خدیجۃ الکبریٰؓ کی ۵۰ سال۔

(۲) آپؓ پہلے سال نبوت کے ماہ جمادی الآخر کی بیس تاریخ کو پیدا ہوئیں (سنہ ا بعث یا ۴۱ ولادتِ نبوی مطابق ۶۱۱ عیسوی)

(۳) آپؓ بعثت سے تقریباً ایک سال پہلے پیدا ہوئیں۔

(۴) آپؓ کی ولادت سن ۵ بعثت (نبوت) میں ۲۰ جمادی الآخر کو ہوئی۔

جمہورِ اربابِ سیر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے اور روایت کی رو سے بھی یہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اکثر مستند روایتوں میں وفات (۱۱ ہجری) کے وقت سیدہؓ کی عمر ۲۸ یا ۲۹ سال بتائی گئی ہے۔یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب سیدہؓ کی ولادت بعثت سے تقریباً ۵ سال قبل تسلیم کیا جائے۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا کی شادی

ہجرتِ مدینہ کے وقت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ سنِ بلاغت کو پہنچ چکی تھیں۔ایک روایت کے مطابق ان کے ورودِ مدینہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رسولِ اکرم ﷺ سے حضرت فاطمہؓ سے عقد کرانے کی درخواست کی۔حضور ﷺ خاموش رہے یا بعض روایتوں کے مطابق فرمایا ''ابوبکر حکمِ الٰہی کا انتظار کرو''

حضورﷺ نے حضرت علیؓ سے پوچھا تمہارے پاس حقِ مہر ادا کرنے کے لئے بھی کچھ ہے؟۔حضرت علیؓ نے عرض کیا ایک زرہ اور ایک گھوڑے کے سوا کچھ نہیں۔

حضورﷺ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کے لئے ضروری ہے زرہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت لے آؤ۔حضرت علیؓ نے ارشادِ نبویﷺ کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔اس کے بعد حضرت علیؓ نے یہ زرہ فروخت کے لئے صحابہ کے سامنے پیش کی۔حضرت عثمانؓ نے ۴۸۰ درم پر یہ زرہ خرید لی اور پھر یہ ہدیۃً حضرت علیؓ کو واپس دے دی۔حضرت علیؓ نے یہ رقم لے کر حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا تو آپﷺ نے حضرت عثمانؓ کے حق میں دعائے خیر کی۔اسی اثناء میں حضورﷺ نے حضرت فاطمہؓ کی رضا مندی حاصل کر لی تھی۔حضرت علیؓ نے زرہ کی قیمت فروخت حضورﷺ کی خدمت میں پیش کی تو آپؐ نے فرمایا۔''دو تہائی خوشبو وغیرہ پر صرف کرو اور ایک تہائی سامانِ شادی اور دیگر اشیائے خانہ داری پر خرچ کرو''۔پھر حضورﷺ حضرت انس بن مالکؓ کو حکم دیا کہ جاؤ ابوبکر، عمر، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور دیگر مہاجرین وانصار کو مسجد میں بلا لاؤ۔(خود حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اس سے پہلے حضورﷺ پر وحی آنے کی سی کیفیت طاری ہوئی، وہ کیفیت دور ہوئی تو آپﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لائے تھے کہ فاطمہؓ کا نکاح علیؓ سے کر دیا جائے)جب بہت سے صحابہ کرام دربارِ رسالتﷺ (مسجدِ نبوی) میں جمع ہو گئے تو حضورﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا''اے گروہ مہاجرین وانصار، مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ فاطمہؓ بنت محمدﷺ کا نکاح علیؓ بن ابی طالب سے کر دوں، میں تمہارے سامنے اس حکم کی تعمیل کرتا ہوں''۔اس کے بعد آپﷺ نے خطبہ پڑھا خطبہ کے بعد حضورﷺ نے حضرت علی متبسم ہو کر فرمایا۔''میں نے چار سو مثقال چاندی کے مہر پر فاطمہ کو تیرے نکاح میں دیا، کیا تجھے منظور ہے؟''حضرت علیؓ نے کہا''بسرو چشم''

رخصتی کے دوسرے دن حضورﷺ نے خواہش ظاہر کی کہ ولیمہ بھی ہونا چاہئے۔حضرت سعد نے اس مقصد کے لئے فوراً ایک بھیڑ ہدیۃً پیش کر دی اور کچھ انصار نے بھی اس کام میں ہاتھ بٹایا۔حضرت علیؓ نے مہر میں سے جو رقم بچ رہی تھی اس سے کچھ اشیاء خریدی دعوت ولیمہ میں دستر خوان پر کھجور، پنیر، نان، جو اور گوشت تھا۔حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ یہ زمانے کا بہترین ولیمہ تھا۔خاتونِ جنت بی بی فاطمہؓ کی شادی آسمان میں حضرت جبرئیلؑ نے نکاح پڑھا۔

خاتونِ جنت بی بی فاطمہؓ کی شادی میں اللہ نے چالیس ہزار فرشتوں کو دعوت دی تھی۔خاتونِ جنت بی بی فاطمہؓ کی شادی میں چالیس ہزار فرشتوں کو موتیاں انعام میں دی گئی وہ موتیاں باقی آسمان کے تمام فرشتوں کو قیامت تک تقسیم کئے

جائیں گے۔خاتونِ جنت بی بی فاطمہؓ اور شیر خدا حضرت علیؓ کی شادی کے بعد اللہ دونوں سمندروں کو ملا دیا اور اس میں دو موتیوں کو نکالا ایک موتی لولو جس کے اندر ہرا رنگ تھا وہ حضرت امام حسن کی شہادت تھی جو آپؓ کو زہر دے کر شہید کر دئے گئے۔اور دوسرا موتی مرجان تھا جو لال رنگ کا تھا جو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی خبر دیا تھا۔قیامت کے دن اللہ سب انبیاء پیغمبروں اولیاء وغیرہ کو فرمائے گا کہ تھوڑی دیر اپنی اپنی نگاہیں نیچی کرلیں کیونکہ خاتونِ جنت بی بی فاطمہؓ چالیس ہزار فرشتوں کے ساتھ آرہی ہیں۔

بی بی فاطمہ کا جہیز

سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی لختِ جگر کو جو چیزیں دیا مختلف روایتوں کے مطابق اِس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) ایک بستر مصری کپڑے کا جس میں اون بھری ہوئی تھی (۲) ایک نقشی تخت یا پلنگ (۳) ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی (۴) ایک مشکیزہ (۵) دو مٹی کے برتن (یا گھڑے) پانی کے لئے (۶) ایک چکّی (ایک روایت میں دو چکّیاں درج ہیں) (۷) ایک پیالہ (۸) دو چادریں (۹) دو بازو بند نقرائی (۱۰) ایک جانماز

ازدواجی زندگی

حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمہؓ کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔حضرت علیؓ سیدہ فاطمہؓ کی بڑی عزت کرتے تھے اور اُن کا بہت خیال رکھتے تھے۔سیدہ بھی اپنے شوہر کا دل و جان سے احترام کرتی تھیں اور اُن کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ ضرر گزاشت نہ کرتی تھیں۔حضور ﷺ اپنی لختِ جگر کو ہمیشہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ عورت کا سب سے بڑا فرض خاوند کی اطاعت و فرمانبرداری ہے اس لئے وہ علیؓ کی ہر طرح اطاعت کرے۔دوسری طرف حضور ﷺ حضرت علیؓ کو بھی تاکید فرماتے رہتے تھے کہ فاطمہؓ سے اچھا برتاؤ کرو۔چنانچہ میاں بیوی کے مثالی تعلقات کی وجہ سے ان کا گھر جنت کا نمونہ بن گیا تھا۔

سیدنا حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ہماری مادرِ گرامی کی زندگی میں باہر کے کام وکاج تمام کام ہمارے والد بزرگوار انجام دیتے تھے اور گھر کے اندر تمام کام کاج کھانہ پکانا، چکی پیسنا، جھاڑو دینا وغیرہ سب ہماری مادرِ گرامی خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھیں۔

حضرت فاطمہؓ خانہ داری کے کاموں کی انجام دہی کے لئے کبھی اپنے کسی رشتہ دار یا ہمسایہ کو اپنی مدد کے لئے نہیں بلاتیں تھیں۔نہ کام کی کثرت اور نہ کسی قسم کی محنت و مشقت سے گھبراتی تھیں۔ساری عمر شوہر کے سامنے حرفِ شکایت زبان پر لائیں اور نہ ان سے کسی چیز کی فرمائش کی۔

شمائل و خصائل

سیدہ فاطمہؓ کی صورت اور گفتار سرورِ عالمﷺ سے بہت زیادہ ملتی جلتی تھی۔ حضورﷺ کے بہت سے ظاہری و باطنی اوصاف ان کی ذات میں موجود تھے۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ شکل وصورت میں حضرت فاطمہؓ اپنی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے بہت مشابہت تھی۔ اُم المومنین حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ میں نے طور طریق کی خوبی اخلاق و کردار کی پاکیزگی ،نشست و برخواست ،طرزِ گفتگو اور لب و لہجہ میں حضورﷺ کے مشابہ فاطمہؓ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کی رفتار بھی بالکل حضورﷺ کی رفتار تھی۔

عبادت اور شب بیداری

سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کو عبادت الٰہی سے بے انتہا شغف تھا۔ وہ خوفِ الٰہی میں ہر وقت رہتی تھیں۔ مسجدِ نبوی کے پہلو میں گھر تھا۔ حضورﷺ کے ارشادات و مواعظ گھر بیٹھے سنا کرتی تھیں۔

زبان پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا تھا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ فاطمہؓ کو میں دیکھتا تھا کہ کھانا پکاتی جاتی تھیں اور ساتھ ساتھ خدا کا ذکر کرتی جاتی تھیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں اور قرآن پڑھتی رہتی تھیں۔ وہ چکی پیستے وقت بھی قرآن پاک کی تلاوت کرتی تھیں۔

عبادت کرتے وقت سیدہ فاطمہؓ کا نورانی چہرہ زعفرانی ہوجاتا تھا جسم پر لرزہ طاری ہوجاتا تھا، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اکثر مصلیٰ آنسوؤں سے بھیگ جاتا تھا۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ فاطمۃ الزہراؓ کی عبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر ساری ساری رات نماز میں گزار دیتی تھیں۔

ایثار و سخاوت

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ساری رات ایک باغ سینچا اور اُجرت میں تھوڑے سے جَو حاصل کئے۔ سیدہ فاطمہؓ نے ان کا ایک حصہ لے کر آٹا پیسا اور کھانا تیار کیا۔ عین کھانے کے وقت ایک

مسکین نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا ''میں بھوکا ہوں'' ۔حضرت سیدہ فاطمہؓ نے وہ سارا کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی اناج میں سے کچھ حصہ پیسا اور کھانا پکایا۔ ابھی کھانا پک کر تیار ہوا ہی تھا کہ ایک یتیم نے دروازہ پر آ کر دستِ سوال کیا۔ وہ سب کھانا اسے دے دیا۔ پھر انہوں نے باقی اناج پیسا اور کھانا تیار کیا۔ اس مرتبہ ایک مشرک قیدی نے اللہ کی راہ میں کھانا مانگا وہ سب کھانا اس کو دے دیا۔ غرض سب اہل خانہ اس دن فاقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا ایسی پسند آئی کہ گھر کے قدسی صفات مکینوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ویطعمون الطعام علیٰ حب مسکینا و یتیما و آسیرا (الدھر) (اور وہ اللہ کی راہ میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں)

ایک دفعہ کسی نے سیدہ فاطمہؓ سے پوچھا چالیس اونٹوں کی زکوۃ کیا ہوگی؟۔ سیدہ نے فرمایا ''تمہارے لئے صرف ایک اونٹ اور اگر میرے پاس چالیس اونٹ ہوتو میں سارے ہی راہِ خدا میں دودوں''۔

شرم و حیا

سیدہ فاطمۃ الزہراؓ پردہ کی نہایت پابند تھیں۔ اور حد درجہ حیادار تھیں۔ ایک بار حضور ﷺ نے انہیں طلب فرمایا تو وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا، بیٹی عورت کی سب سے اچھی صفت کونسی ہے تو انہوں نے عرض کیا ''عورت کی سب سے اعلیٰ خوبی یہ ہے کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اس کو دیکھے''۔

باپ بیٹی کی محبت

حضور ﷺ کو سیدہ فاطمۃ الزہراؓ سے بے انتہا محبت تھی اور سیدہ بھی حضور ﷺ سے والہانہ محبت کرتی تھیں۔ خادمِ رسول اللہ ﷺ حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ میں حضور ﷺ کے برابر کسی کو اپنی اولاد سے محبت کرتے نہیں دیکھا۔ جب کبھی آپ ﷺ سفر پر تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہؓ سے مل کر جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے سیدہ فاطمہؓ سے آ کر ملتے۔ حضور ﷺ کے غلام حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں سیدہ فاطمہؓ سے رخصت ہوتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو خاندان بھر میں سب سے پہلے سیدہ فاطمہؓ ہی سے ملاقات کرتے پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے۔ (مدارج النبوہ)

ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ خندق میں گھر کے مرد میدان میں تھے۔ ایک دن سیدہ فاطمہؓ نے روٹی پکائی اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو پیش کی۔ حضور ﷺ کئی دن سے خندق کی کھدائی میں مصروف تھے۔ بیٹی کی

محبت پر خوش ہو کر فرمایا ''جانِ پدر آج تین دن کے بعد یہ لقمہ مجھے ملا ہے''۔

سیدۃ النساء کا سفرِ آخرت

حضور ﷺ کی جدائی کا سب سے زیادہ صدمہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کو ہوا۔ وہ ہر وقت غمگین اور دل گرفتہ رہنے لگیں۔ اہل شیر کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد کسی نے سیدہ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ سیدہ کو بھی خالقِ حقیقی کی طرف سے بلاوا آ پہنچا جس کی وہ اسی دن سے منتظر تھیں۔ جب حضور ﷺ انہیں بتایا تھا کہ میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم مجھے عالم آخرت میں ملوگی۔

علامہ ابن اثیر نے ''اُسدُ انعابہ'' میں لکھا ہے کہ وفات سے پہلے سیدہ فاطمہؓ نے حضرت سیدہ اسماء بنت عمیس (مشہور صحابیہ) کو بلا کر فرمایا کہ ''میرا جنازہ لے جاتے وقت اور تدفین کے وقت پردہ کا پورا لحاظ رکھنا سوائے اپنے اور میرے شوہر کے اور کسی سے میرے غسل میں مدد نہ لینا اور تدفین کے وقت زیادہ ہجوم نہ ہونے دینا''۔

سیدہ کی تاریخ وفات کے بارے میں اہل سیر میں سخت اختلاف ہے۔ مختلف روایات کے مطابق سیدہؓ نے حضور ﷺ کے وصال کے ستر دن، دو ماہ، چار ماہ، چھ ماہ، یا اٹھارہ ماہ بعد وفات پائی۔ جمہورِ ارباب سیر نے چھ ماہ والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ اور لکھا ہے کہ سیدۃ النساءؓ نے ۳ رمضان المبارک سن ۱۱ ہجری (منگل کی رات) کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔ ''کنز العمال'' میں حضرت امام جعفر صادقؒ اپنے والد محترم حضرت امام محمد باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ''حضرت فاطمۃ الزہرا فوت ہوئیں تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں نمازِ جنازہ پڑھنے کے لئے تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ کو جنازہ پڑھانے کے لئے کہا کہ آگے تشریف لائیں تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ آپ خلیفۂ رسول ہیں آپ سے پیش قدمی نہیں کر سکتا۔ پس حضرت ابوبکرؓ نے مقدم ہو کر نمازِ جنازہ پڑھائی (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۸ طبع قدیم)

مناقب

سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے مناقب میں احادیث حسبِ ذیل ہیں:۔

☆ حضور ﷺ نے فرمایا ''فاطمہ اہلِ جنت کی خواتین کی سردار ہیں۔

☆ جنت کی عورتوں کی سردار مریمؑ پھر فاطمہؓ بنتِ محمد ﷺ پھر خدیجہؓ پھر آسیہؓ (فرعون کی بیوی) ہیں۔

☆ حضور ﷺ نے فرمایا ''تمہاری تقلید کے اور تمام دنیا کی عورتوں میں مریمؑ، خدیجہؓ، فاطمہؓ، اور آسیہؓ کافی ہیں۔

☆حضورﷺ نے فرمایا ''فاطمہ سیدہ نساء العالمین (تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار) ہیں۔

☆حضورﷺ نے فرمایا فاطمہؓ خواتین امت (یا خواتین مومنین) کی سردار ہیں۔

☆حضورﷺ نے فرمایا ''فاطمہؓ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گی۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی اولاد

سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے پانچ اولادیں عطا فرمائیں۔تین لڑکے اور دو لڑکیاں ان کے اسمائے گرامی (ترتیبِ ولادت کے مطابق) یہ ہیں

(۱) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳) حضرتِ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴) حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۵) حضرت محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کو حضرت علیؓ، حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت فضل بن عباسؓ نے قبر میں اتارا۔جائے تدفین کے بارے میں بھی روایتوں میں اختلاف ہے۔اس سلسلہ کی مشہور روایتیں یہ ہیں۔

(۱) سیدہ فاطمہؓ کا مدفن دارِ عقیل کے ایک گوشے میں ہے۔

(۲) جنت البقیع میں ہے۔

(۳) حضورﷺ کے روضہ مبارک کے قریب ہے۔

(۴) سیدہ فاطمہؓ اپنے گھر میں مدفون ہوئیں۔جب مسجد نبوی میں توسیع کی گئی تو یہ جگہ شامل مسجد ہوگئی۔

مدینہ منورہ میں سیدہ فاطمۃ الزہراؓ سے منسوب مزار پر صدیوں تک ایک شاندار عمارت قائم رہی۔جب سعودی حکومت نے ایسی عمارتیں منہدم کرائے تو اس عمارت کو بھی منہدم کرا دیا۔

ایمان والوں ہی کو مشکل اور دشوار کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے

از: الحاج سید نذیر احمد قادری
سابق مینیجر سنی جامع مسجد بارلین ودرگاہ خواجہ نظر اولیاء، میسور روڈ، بنگلور
موبائل: 9742786264

رب تبارک وتعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''کیا وہ اس گمان میں ہیں کہ اتنا کہ دینے سے چھوڑ دئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا''۔ پھر ایک جگہ رب کائنات فرماتا ہے ''کیا تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی حق تعالیٰ نے تمہارا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی''۔

برادرانِ ملتِ اسلامیہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں شہر مکہ میں مسلمانوں پر بے انتہا ظلم وستم ہوا ان پر آفتوں اور مصیبتوں کے طوفان آئے مگر ان پاکباز مسلمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے پائے استقلال میں جنبش بھی نہ آئی۔ ہر مصیبت اور ہر مشکل کا سامنا کیا اور ایمان پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہے۔ رب تعالیٰ کی ہر آزمائش اور ہر امتحان میں وہ کامیاب و کامران رہے۔ رب کائنات نے ایمان والوں کے لئے دنیا وآخرت کی کامیابیوں اور آخرت کی نعمتوں اور جنت دینے کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ صرف زبانی ایمان کے دعویداروں کے لئے نہیں بلکہ امتحان وآزمائش کے سخت مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اپنے خالق و مالک اللہ رب العزت کی خوشنودی کے لئے جان و مال کا نقصان برداشت کرنا ہوگا، مصیبتوں اور مشکلوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ہر تکلیف اور رنج وغم کو گلے لگانا ہوگا۔ اللہ کے دین پاک کے پاکیزہ اصول وقوانین پر عمل کرنا ہوگا، اللہ ورسول کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہوئے ہر آنے والی پریشانیوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنا ہوگا۔ جب کہیں ہم ایمان والے ہونے کا دعویٰ کرنے میں سچے ہوں گے۔ ایسے سچے ایمان والوں کے لئے جنت کے دروازے کھول دئے جائیں گے۔ جنت کی ساری بہاریں میسر ہوں گی۔ جنت کی تمام نعمتوں سے نوازا جائے گا۔

ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اللہ ورسول کے حکموں کو توڑتے ہیں اللہ ورسول کی اطاعت وفرمانبرداری سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اللہ ورسول کی نافرمانیاں کرتے ہوئے ڈرتے نہیں۔ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات فضول باتوں میں اور فضول کاموں میں صرف کر دیتے ہیں۔ نہ ہمارے زبانوں پر اللہ کا ذکر نہ گناہوں پر توبہ واستغفار نہ محسن اعظم رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام نہ نمازوں کی پابندی نہ فکر آخرت نہ بندگانِ خدا کی خدمت کا جذبہ اور نیک کاموں کی طرف رغبت۔ پھر ایمان والے ہونے کا دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے؟ ہمیں چاہیئے کہ اپنے اعمال واخلاق افعال وکردار کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔

اخلاص و اعمالِ صالح

از: الحاج سید شاہ مصطفیٰ نبیرۂ قادری المعروف کمال پاشاہ
سجادہ نشین حضرت سید شاہ قادری محی الدین نبیرۂ قادریؒ
حویلی عرس جاگیر، ورنگل

عبادت اس عمل کو کہتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ طریقہ کے مطابق کیا جائے عبادت کرنے والی کی جب نیت اچھی ہو تو عبادت قبول بارگاہ ربانی ہوتی ہے اور عابد بارگاہِ خداوندی سے اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

عامل کی اگر نیت میں اخلاص نہیں تو عمل برباد ہو جاتا ہے اور عامل ریا کاری یعنی دکھاوے کے وبال میں مبتلاء ہو کر سزائے جہنم کا مستحق ہوتا ہے۔ عمل کتنے ہی حسین اچھے و خوب سے خوب تر کیوں نہ ہو اگر نیت میں اخلاص نہیں تو۔ کیا ہونے والا ہے۔ قارئین حضرات حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ملاحظہ فرمایئے۔

اس حدیث کو بیان کرنے کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اتنا ہی کہہ پائے ''قال رسول اللہ'' ہیبت و دہشت سے میدان قیامت کے منظر کو یاد کر کے بے ہوش ہو گئے اور ایک مرتبہ نہیں تین مرتبہ اسی طرح ہوا، پھر جب سنبھلے تو بیان کیا۔ یومِ قیامت بارگاہِ خداوندی میں ایک قاری، ایک سخی اور ایک شہید کو حاضر کیا جائے گا۔ تمام عالم کا رب قاری سے پوچھے گا اے بندہ میں نے تجھے اپنی نعمتوں سے نوازا تھا تو نے میری ان نعمتوں کا شکر کس طرح ادا کیا؟ قاری عرض کرے گا اے مولیٰ میں نے خود بھی علم پڑھا اور لوگوں کو بھی پڑھایا اور بڑی سعی کی۔ رب فرمائے گا اے بندہ بتا تیرا قرآن پڑھنا یہ ساری محنت و جد و جہد میری رضا کے لئے تھی یا تو نے ساری خدمت و کارنامے دنیا میں لوگوں کو دیکھانے کے لئے انجام دئے تھے؟ قاری عرض کرے گا ہاں مولیٰ سچ تو یہ ہے میری نیت یہ تھی لوگ مجھے قاری کہیں تعریف کریں میرے علم کا چرچہ ہو۔ خدائے قدیر و قیوم فرمائے گا اے بندہ تیری وہ نیت دنیا میں پوری کر دی اب میری بارگاہ سے تیرے لئے کوئی اجر نہیں۔ پھر یہ شخص (ریاکار قاری) کو منہ کے بل گھسیٹ کر بھڑ کتے ہوئے نار جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

پھر رب ذوالجلال پوچھے گا ایک سخی سے اے سخی بتا تو نے میری نعمتوں کا شکر کس طرح ادا کیا۔ سخی کہے گا اے رب میں نے اپنا مال ہر نیک کام میں خرچ کیا، خداوند عالم پوچھے گا ذرا یہ بھی تو بتا اس سخاوت میں تیری نیت کیا تھی؟ میری رضا کے لئے اپنا مال خرچ کیا تھا یا لوگ دنیا میں تیری سخاوت کا چرچہ کریں۔ سخی کہے گا ہاں مولیٰ میری نیت تو یہی تھی کہ لوگ مجھے سخی و داتا کہیں۔ رب عالم فرمائے گا اے بندہ میں نے دنیا میں تیری یہ نیت پوری کر دی اپنے بندوں میں تیری سخاوت کا چرچا کروا دیا اب میری بارگاہِ عظیم سے تیرے لئے کوئی اجر نہیں۔ اور یہ شخص بھی (ریاکار سخی) منہ کے بل گھسیٹ کر نار جہنم کے حوالہ کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد شہید سے رب کریم سوال فرمائے گا بتا تو نے میری نعمتوں کا شکر کس طرح ادا کیا؟ وہ عرض کرے گا اے مولیٰ میں نے جہاد کیا لڑتے لڑتے تیری راہ میں جان قربان کر دی۔ رب قدیر فرمائے گا میری رضا کے لئے جان قربان کی تھی یا دنیا میں شہید و بڑا بہادر کہلانے کی نیت تھی؟ شہید کہے گا ہاں مولیٰ۔ ہاں سچ تو یہی ہے نیت تو میری یہی تھی لوگ دنیا میں مجھے مجاہد و شہید کہیں۔ خالق کائنات فرمائے گا میں نے تیری وہ نیت و آرزو دنیا میں پوری کر دی تیری شہادت کا چرچہ کروایا اب میری بارگاہ عظمت سے تیرے لئے کوئی اجر خیر نہیں۔ پھر حاکم کُل حکم فرمائے گا اے فرشتوں اس کو بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم کے بھڑکتے شعلوں میں پھینک دو۔

قارئین حضرات غور فرمایئے تلاوت، سخاوت و شہادت تینوں اعمال کتنے بڑے و بہتر عمل ہیں لیکن نیت اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے مرض ریا کاری طلب شہرت کی وباء میں مبتلاء تھے۔ اسلئے سارے اعمال تباہ و برباد ہو گئے۔

ذکر کردہ حدیث سے ہمیں سبق ملا قرآن کی تلاوت و نعت پڑھنا علم الحدیث کی اشاعت و تبلیغ عظیم کار خیر اپنے مال کے ذریعہ مساجد بنوانا، مفلس ضرورت مند لوگوں کی مدد کرنا عظیم اعمالِ صالح ہیں دین کی فلاح و بہبود کے لئے لڑتے ہوئے راہِ خدا میں جان قربان کر دینا بے نظیر عبادت ہے لیکن نیت اخلاص کی دولت بے بہا سے محروم ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے اعمال حسنات برباد ہوئے۔ عارفین و کاملین خانقاہوں میں اصلاح نفس و تربیت کے ذریعہ نیت اخلاص پیدا کرنے کی درس دیتے ہیں اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔

ایک مرتبہ شیر خدا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ میدان جہاد میں ایک کافر پہلوان کے مقابلے کے لئے نکلے اس پہلوان نے مولیٰ علیؓ پر حملہ کر کے قابو پانے کی کوشش کی اس درمیان حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اس پہلوان کو زمین پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ مولیٰ علیؓ جب اس کے سر کو تن سے جدا کرنے کے لئے وار کرنا چاہا اس نے آپ کے مقدس چہرے پر تھوک دیا۔ جوں ہی پہلوان نے آپ کے مقدس چہرے پر تھوکا آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور تلوار میان میں رکھتے ہوئے فرمایا جا تجھے قتل نہیں کروں گا۔ اس پہلوان نے بڑی حیرت سے پوچھا علی کیا بات ہے؟ کوئی دشمن کو قابو میں پا کر بھی چھوڑ دیتا ہے؟ مولیٰ علیؓ نے جواب میں فرمایا یہی تو اسلام کا فلسفہ حیات ہے۔ جب میں گھر سے روانہ ہوا اپنے رب کی رضا کے لئے تیرے حملوں کو روک کر تیرا مقابلہ کیا اور اپنے مولیٰ کی رضا کے لئے تیرے اوپر قابو پا کر تجھے قتل کرنا چاہا اور اپنے ربِ کریم کی رضا کی خاطر تلوار نکالا لیکن جب تو نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو میرے اندر جذبۂ انتقام پیدا ہو گیا۔ اب اگر اس حال میں تجھے قتل کروں تو تیرا قتل آدھا رب کی رضا کے لئے اور آدھا میرے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے ہو گا۔ اور میں اس عظیم کارِ خیر میں کسی طرح کی نفسانی خواہش کی شرکت پسند نہیں کرتا اس لئے تجھے چھوڑ دیا۔ اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ مسلمان جو بھی کام کریں صرف اور صرف اپنے مولیٰ کریم کی رضا کے لئے کریں۔

اللہ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو مرض ریائی وباء سے محفوظ رکھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بڑے پیر غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدقہ میں ہم سب کو ریا کاری سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

کلونجی دوا بھی اور غذا بھی

از: ڈاکٹر نعمان باشاہ قریشی، بی یو ایم ایس

ایم اے، ادیب فاضل مدراس یونیورسٹی

صحت اور بیماری انسان کی زندگی سے جڑی ہوئی روشن حقیقتیں ہیں جن کا انکار کوئی نہیں کرسکتا۔ موجودہ زمانے میں تو صحت کے مقابلے میں بیماری کو غلبہ حاصل ہے اور کوئی گھر ایسا نظر نہیں آتا جس کے سارے افراد صحت منداور تندرست ہوں۔ ہر گھر میں غلّہ واناج کے ساتھ دواؤں کا بھی ایک چھوٹا موٹا اسٹور موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا انسان پر ایک عظیم فضل و احسان یہ ہے کہ اس نے بیماری کے ساتھ ساتھ دواؤں کو بھی رکھا ہے۔ ایک مشہور حدیث میں کہا گیا ہے۔ انزل الداء والدواء۔ اللہ نے زمین پر بیماری اور دوا دونوں بھی نازل کیا ہے۔

اور انسان کا یہ طبی و تحقیقی فریضہ ہے کہ وہ کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتی چیزوں میں غور وفکر کریں اور ان میں موجود ایسے اجزاء اور حصے تلاش کریں جن میں صحت کی بقاہے اور بیماری کے ازالہ کی صلاحیت وطاقت موجود ہے۔ روئے زمین پر بے شمار پودے ہیں، جن میں سے بعض تو خود ہی اگتے ہیں، بعض اگائے جاتے ہیں۔ ان پودوں میں اللہ نے بے شمار ایسی خصوصیات اور فائدے پوشیدہ رکھے ہیں جن کے اندر کئی ایک بیماریوں کا علاج موجود ہے۔ بعض درخت اور پودیتو ایسے بھی ہیں جن کے وجود ہی سے خود بخود بیماریاں ختم ہوجاتی ہیں اور بعض درخت ایسے ہیں جن کی صرف ہواؤں سے بیمار آدمی صحت یاب ہوجاتے ہیں اور بعض درختوں کے پھول، پھل، پتے اور چھال وغیرہ میں مختلف بیماریوں کے لئے دوائیں بننے کی صلاحیت موجود ہے۔ اب انسان کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے علم وتحقیق اور تجربہ ومشاہدہ کی روشنی میں ان کے مفید اور مضر اجزاء کو جان لے اور مرکب دوائیں تیار کرلے اور بنی نوع انسان کی صحت کی بقا اور مرض کے خاتمہ کے لئے جدوجہد کرتا رہے اور ظاہر ہے کہ جو لوگ پودوں میں موجود طبی اور طبعی فوائد کو جاننے کی کوشش نہیں کرینگے تو وہ ان طبی پوشیدہ حقائق سے لاعلم رہیں گے اور وہ نباتات کے طبی اور طبعی فائدے حاصل کرنے سے محروم رہیں گے۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دیہاتوں سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ اللہ کے بندو بیماری کا علاج کروا اللہ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے اسکے لئے دوا اور شفاء رکھی ہے جاننے والا اسے جانتا ہے اور نہیں جاننے والا نہیں جانتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ پودوں اور جڑی بوٹیوں کے خواص اور فوائد کو جاننے کی کوشش نہ کی گئی تو ہم لاعلم رہیں گے اور نئی نئی بیماریوں کا قدرتی علاج کرنے سے قاصر رہیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی چیزوں کے ذریعہ مختلف اور معتدد بیماریوں کا علاج بتلایا ہے ان میں سے ایک کلونجی بھی ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کلونجی کا استعمال کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ اس میں تمام بیماریوں کے لئے علاج موجود ہے۔

آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا سیاہ دانوں (کلونجی) میں موت کے سوا ہر بیماری کے لئے علاج ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جہاں کلونجی کے فائدوں سے امت کو آگاہ فرمایا ہے وہاں آپ نے خود بھی کلونجی کو شہد کے ساتھ استعمال فرمایا ہے۔

کلونجی کو عربی میں ''حبۃ السوداء'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اس کا انگریزی نام "Black Cumin" ہے یہ ایک فصلی پودا ہوتا ہے اس کے پتوں کا رنگ ہرا اور خاکستر ہوتا ہے اور ان کے اوپر لمبے لمبے رواں ہوتے ہیں اور یہ پھول دار پودا ہے جس کے پھول میں پنکھڑیاں نہیں ہوتی ہیں اور وہ تاروں کی شکل کے ہوتے ہیں اور ان کا رنگ نیل گوں اور کسی قدر سفید ہوتا ہے اور اس پودے کا پھل گول گنبد نما تھیلی کی شکل کا ہوتا ہے۔ جس میں سیاہ چھوٹے چھوٹے ناہموار اونچے نیچے خوش دار بیج ہوتے ہیں۔ یہی سیاہ دانے کلونجی کہلاتے ہیں، اس پودے کی کاشت ہمارے ملک کے علاوہ بنگلہ دیش، ترکی، اور مشرقی وسطیٰ میں ہوتی ہے اور اس کی کاشت ہی اس لئے کی جاتی ہے کہ اس کے بیج (حبۃ السوداء) کو حاصل کیا جائے، کیونکہ یہی دانے ہیں جن میں قدرت کے بے شمار طبی فوائد رکھا ہے اور ان کے ذریعہ ان گنت بیماریوں کا علاج کیا جا سکتا ہے۔

کلونجی کے بیجوں میں فاسفورس "Phosphous" آئرن "Iron" کاربو ہائیڈریٹ "Carbohydruts" مرکبات اور جراثیم کو ختم کرنے والے اجزاء بڑی مقدار میں ہے۔ موجودہ زمانے میں کلونجی کا کیمیائی تجزیہ کیا گیا ہے جس سے یہ حقیقت نمایاں ہوگئی ہے اس میں حرزین "Carotene" موجود ہے۔ اور یہ جگر میں پہنچ کر ''حیاتین A'' میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کے بیج قبض کو دور کرتے ہیں اور ہضم کے نظام کو درست رکھتی ہیں اور صفراوی امراض میں نہایت مفید ہیں۔ معدہ میں حرارت تبخیر اور جسم میں پیدا ہونے والے سدوں کو دور کرتی ہیں۔ موجودہ زمانے میں کلونجی کو مختلف چیزوں میں شامل کر کے غذا اور دوا کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے اور اس کی افادیت سب کے

سامنے کھل کر آرہی ہے اور اس پر ہونے والی نئی تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ کلونجی ایک طاقتور مفید اور بے ضرر کیمیائی صلاحیتوں سے بھرپور غذا بھی ہے اور دوا بھی۔

موجودہ زمانے میں دل کی بیماریاں عام ہوتی جارہی ہیں ماضی بعید میں خال خال ہی لوگ امراض قلب کا شکار ہوتے تھے، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں لوگ "Heart attack" جیسی بیماریوں سے واقف بھی نہ تھے۔ یہ حضور ﷺ کا طبی معجزہ ہے کہ آپ نے امراض قلب سے شفاء پانے کے لئے عجوہ کھجور سات عدد کھانے کی ہدایت دی جس میں جسمانی اور روحانی دونوں شفاء موجود ہے۔ آپ ﷺ کا کلونجی کو ہر مرض کی دوا قرار دینا اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ آدمی کلونجی کے استعمال سے دل کی مختلف بیماریوں سے نجات پا سکتا ہے۔

چنانچہ موجودہ زمانے میں اس کی تصدیق وتائید جدید طبی تحقیقات کی روشنی میں ہو رہی ہے۔ کلونجی کے استعمال سے خون کی نالیوں میں جمع ہونے والی آلائیش ختم ہو رہی ہے اور ایسے اجزاء کو دور کر رہی ہے جو قلب کے لئے نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔ دل سے جڑی ہوئی جو بھی خرابیاں اور بیماریاں ہیں مثلاً دل کا دورہ، دل کی نالیوں کے وال بلاک ہونا، دل میں درد، ضعف قلب وغیرہ ان کو دور کرنے کے لئے شہد اور عجوہ کھجور کے ساتھ کلونجی استعمال کریں تو انشاءاللہ امراض قلب سے شفا مل جائے گی۔ کیونکہ شہد میں شفاء، عجوہ میں شفاء، اور کلونجی میں شفاء ہے۔ اس کے استعمال کے ساتھ ساتھ دعا کو ضرور شامل رکھا جائے تو انشاءاللہ یہ بات صادق آجائے گی کہ موت کے سوا ہر بیماری سے آدمی صحت وشفا پا سکتا ہے۔

موجودہ زمانے میں مختلف یونانی دوا ساز کمپنیاں کلونجی کی بیجوں کا تیل تیار کر رہی ہیں جس سے لوگوں کو کلونجی کے استعمال کرنے میں بڑی سہولت اور آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ لہذا تیل مختلف امراض میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ذیابطیس کے مریضوں، جوڑوں اور رگوں کے درد میں مبتلا مریضوں، قبض اور آنتوں کی شکایتوں میں مبتلا مریضوں، گردہ میں پتھری کی شکایت والوں اور حافظہ کی کمزوری میں مبتلا افراد۔ نسوانی امراض میں مبتلا عورتوں کے لئے کلونجی کا تیل کا استعمال نہایت مفید ہے۔ یہ تیل دودھ، شہد اور انگور، سنترہ جیسے میوہ کے رس کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہر بیماری سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین والہ الطیبین واصحابہ الطاہرین۔

جلسۂ رسمِ مسند سجادہ نشینی

عالی جناب سید شاہ محمد طاہر قادری دام اقبالہٗ

ادارہ

بڑی مسرت کے ساتھ یہ اطلاع قارئین اللطیف کو دی جارہی ہے کہ ۲۸ / مارچ ۲۰۱۵ء روز ہفتہ بعد نمازِ عصر گنبدِ حضرات اقطابِ ویلور کے احاطہ میں خانوادہ حضرت قطب ویلور کے مریدین، معتقدین، رشتہ دار، دارالعلوم لطیفیہ کے اساتذہ کرام، طلبائے عزیز، فارغین لطیفیہ، مقامی و بیرونی علماء، مشائخ اور اہلیان شہر کی ایک مجلس منعقد ہوئی۔ جس میں مولانا مفتی سید شاہ محمد انوار اللہ سرقاضی قادری لطیفی مدظلہ خلیفہ اول اعلیحضرت قدس سرہٗ نے عالی جناب ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری کو سجادہ نشین مقرر کیا۔ اس موقع پر مولوی سید محمد حنیف غازی لطیفی، حافظ سید محمد اللہ بختیاری لطیفی اور مولانا سید نیاز احمد جمالی آمری نے منظوم سپاس نامے پیش کئے۔

نظمِ تہنیت

بتقریب جشنِ تفویض سجادہ نشینی برخوردار عزیزی ابوالحسن سید شاہ محمد طاہر قادری سلمہٗ تعالیٰ بدستِ مبارک والدِ گرامی عالی جناب فضیلت مآب حضرت مولانا سید شاہ عثمان پاشاہ قادری سجادہ نشین و ناظم دارالعلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطبِ ویلور قدس سرہٗ العزیز۔ نبیرۂ خاص تقدس مآب حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمۃ سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ۔ و نامزد کنندۂ سجادگی فضیلت بخش اعلیٰ حضرت عظیم البرکت حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری علیہ الرحمۃ سابق سجادہ نشین خانقاہِ قطبِ ویلور۔ بتاریخ ۷ / جمادی الاخر ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۸ / مارچ ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ بوقت شام ۳۰-۴ بجے بمقام خانقاہِ قطبِ ویلور۔

اثر خامہ: مولانا مولوی الحاج سید محمد حنیف صاحب غازی لطیفی،
وظیفہ یاب صدر مدرس گورنمنٹ ہائی اسکول، مقیم مدنپلی، ضلع چتور

پھر نسیمِ صبح کے جھونکوں کا ساماں ہوگیا	تھا بہاروں کا سماں گلشن بہ داماں ہوگیا
ہلکا ہلکا رنگ و نکہت کا دوپٹا اوڑھ کر	یوں چلی بادِ صبا جلسہ چراغاں ہوگیا

یاد کرنا اس گھڑی کو ایک مردِ با خدا
تھوڑی جمعیت سے اس بستی کا مہماں ہوگیا
ان کی آمد تھی کہ یہ روشن بیاباں ہوگیا
اس فقیہِ دین کی شہرت کا ساماں ہوگیا
لاڈلا تھا وہ نبی پاک کا عبداللطیف
جس کا منشاءِ زندگی تشریح قرآں ہوگیا
مدرسہ، مسجد، نظامِ خانقاہی بھی چلا
یوں ہویدا مصطفیٰ کا خواب ذیشاں ہوگیا
پھر جہانِ تیرگی میں روشنی ہوتی گئی
حق کے پروانوں کو یہ شمعِ فروزاں ہوگیا
تھا علومِ دیں کا چرچہ ان کی پاکیزہ حیات
ہے جہاں شاہد کہ پورا حق کا فرماں ہوگیا
ان کی نسلِ پاک میں کیا کیا ہوئے اہل کمال
ہے قطب کوئی تو کوئی میرِ دوراں ہوگیا
سلسلہ صدیوں تلک یوں ہی یہاں چلتا رہا
منتخب گدی نشیں ہی اس کا نگراں ہوگیا
اک زمانہ وہ بھی آیا کے حسیں ترتیب سے
منصبِ سجادگی سے عہد و پیماں ہوگیا
پہلے دامادِ کلاں اس کے امیں پائے قرار
یونہی تبدیلی مسند کا بھی فرماں ہوگیا
حکمتِ حق تھی کہ اولادِ نرینہ نہ رہی
تھا نواسہ کا مقدر، ساز و ساماں ہوگیا
جب پلٹ کر پھر امانت ان کے گھر کی ہوگئی
سلسلہ ان پاک روحوں کا بھی شاداں ہوگیا
کیا ملی ویلور کے اقطاب کی سجادگی
فیضِ نسبت سے یہ کوکب ماہِ تاباں ہوگیا

دیکھنا اے آنکھ والو، دیکھنا ہو جو نصیب
بقعۂ حضرت مکاں چرخِ درخشاں ہوگیا

پیـــش کـــش

مولانا مولوی سید شاہ مصطفیٰ حسین بخاری، فاضل لطیفیہ، کڈپہ

مولانا مولوی قاضی محمد شاکر اللہ لطیفی، مدنپلی

مولانا مولوی سید محبوب باشاہ عیدروس لطیفی

تہنیت نامہ

عنبر شمامہ بموقعۂ مسند سجادہ نشینی عالیجناب **سید شاہ محمد طاہر قادری** دام اقبالہٗ فرزند عزت مآب مولوی ڈاکٹر **سید شاہ محمد عثمان قادری** صاحب مدظلہٗ العالی، بروز شنبہ بتاریخ ۷/ جمادی الاخر ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۸/ مارچ ۲۰۱۵ء

از نتیجۂ فکر: مولوی ڈاکٹر **سید نیاز احمد جمالی آمرتی**، پرنسپل دار العلوم جمالیہ، چنئی ۔۱۲

خدا کا فضل ہے اور سرورِ عالم کی رحمت ہے
لبوں پر مسکراہٹ ہے دلوں میں نورِ بہجت ہے

بنے ہیں قادری گلشن کے سجادہ نشیں طاہؔر
جنابِ سیدِ عثماں کے چہرہ پر مسرت ہے

نواسہ کو وراثت مل رہی ہے آج پہلی بار
قدیرِ ذوالمنن کی یہ عنایت اور مشیت ہے

خدا قائم رکھے اسلاف کے منہاج پر انکو
اسی میں ان کی عظمت ہے جلالت اور رفعت ہے

یہ بقعہ ہے مبارک ہیں یہاں اقطابِ ربانی
رسولِ پاک کے دینِ متیں کو ان سے نصرت ہے

سدا ہم پر رہے فیضان جاری ان بزرگوں کا
نیازؔی لہ یہ دولت ہے اسی سے اسکو عزت ہے

پیش کش: مولوی قاری یم بی شیخ فضل اللہ لطیفی، یم اے

مدرس دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور

تہنیت نامہ بہجت شمامہ

بتقریب نگانۂ عشرتِ روحانی، مسند نشینِ سجادگی، انوارِ تصوف و معرفت ارتباطِ تعلقاتِ روحانی، تزکیہ نفس، تصفیۂ قلب، تطہیر اعمالِ صالحات، تعلق مع اللہ و عرفانِ ذاتِ رب العالمین، حامل اسوۂ رحمۃ للعالمین، منسلک شریعت و طریقت، معرفت و حقیقت، عزیز القدر سعادت آثار، نبیرۂ سیادت حضرت مولانا سید شاہ محمد طاہر قادری سلمہ الرحمٰن و زید ت معالیھم۔ ابن حضرت مولانا مخدومی و معظمی، تقدس مآب فضیلت انتساب نگاہِ کیمیہ ساز ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ محمد عثمان صاحب قادری دامت فیضھم۔

بتاریخ ۷/ جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۸/ مارچ ۲۰۱۵ء بمقام مسجد حضرت مکان خانقاہِ قطبِ ویلور

قطعات

خدا کے شکر سے تر کیوں نہ ہو زباں میری
کہ بوئے حمد و ثنا ہے شامِ جاں میری
بنے ہیں آج ، سجادہ جو طاہر قادری
دعائیں دیتی ہے ان کو اب زباں میری

☆☆☆

حق کی تجلیات کا اظہار ہے نسبت
اوجِ فلک پہ مطلعِ انوار ہے نسبت
قربان ان کی شانِ خلافت پہ جایئے
بزمِ حیات میں پیکرِ ایثار ہے نسبت

☆☆☆

شکر و رضا کا منبع و مصدر ہیں طاہر قادری
واللہ نانا جان کا مظہر ہیں طاہر قادری
ابن علی ہیں اور جگر گوشۂ رسول
قلب و جگر میں قطبِ لشکر ہیں طاہر قادری

شکر اللہ کا اے کہ جنت نشاں تیرے مداح ہیں طفل و پیر و جواں
چومتا ہے جبیں بڑھ کے یہ آسماں تجھ سا دیکھا نہیں تجھ سا پاؤں کہاں
حضرت مکاں، حضرت مکاں

مسندِ طاہر کو کسی کی لگے نہ نظر حق سے مل جائے طاہر کو عمرِ خضر
چہرۂ طاہر دمکتا ہے مثلِ کامل بدر تجھ سے رخشندہ ہوجائے سارا جہاں
حضرت مکاں، حضرت مکاں

نقشِ قدم ہوا اقطاب کا ہر وقت رفیق جن سے بڑھ کر نہیں تھا کوئی بھی شفیق
قلبِ قطبِ ویلور ہے بہت ہی رفیق معترف ان کی چاہت کا سارا جہاں
حضرت مکاں، حضرت مکاں

روحِ ابوالنصر کی شان ہو تم مردِ سعید فکرِ ابوالحسن بن جائے تمہاری نوید
ہر دل میں ہو چراغِ امید ہیں افق پر ترے کہکشاں کہکشاں
حضرت مکاں، حضرت مکاں

محترم عثمان پاشاہ نے دی روحانی زندگی کس سلیقے سے ہوئی صورت گری
ناز کرتی ہے خود ان پہ خود آگہی تجھ پہ قربان ہمیشہ بہ عزمِ جواں
حضرت مکاں، حضرت مکاں

نظر ہے تشگان علم و معرفت کتنی جلیل تربیت پا چکے ہو عادات کتنی نبیل
ضیاء بھول سکتا نہیں مسند ہے کتنی جمیل تیری الفت ہے پہلو میں جلوہ فشاں
حضرت مکاں، حضرت مکاں

نتیجۂ فکر

سید شاہ محمد اللہ ضیاء بختیاری
رائے چوٹی۔آندھراپردیش

مستِ اَلست

از: علامہ سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی شاہ نوریؒ

تمہاری یاد ہے تم ہو تمہارے ماسوا کیا ہے
یہاں کیا ہے وہاں کیا ہے زمیں کیا ہے سماں کیا ہے
کسی کو دیکھنا اور پوچھنا پھر دل لگانا کیا ہے
تمہارے ماسوا میں بھی تمہارے ما سوا کیا ہے
تمہاری ہی قسم تم کو بتاؤ تم سا کوئی ہے
تمہیں یکتائے عالم ہو تو ما کیا ہے شُما کیا ہے
مکین و لا مکاں تم ہو مکاں تم ہو زماں تم ہو
تمہیں سب کچھ رہے ہم میں ہمارا اب رہا کیا ہے
تمہیں کو دل میں رکھنا ساتھ رہنا تم پہ مر مٹنا
یہی اک کام رہتا ہے ہمیں اس کے سوا کیا ہے
یہی اک شوق ہے دل اب تمہاراہی فدائی ہو
فدا کرنے کو اب تم ہی کہو نزدِ گدا کیا ہے
تمہارا غیر کیا جانے کہ ہم کیا ہیں تمہیں جانو
تمہارے خنجرِ قاتل نے ہم کو کر دیا کیا ہے
پکڑ کر دامنِ نوری تمہارے در پہ آیا ہوں
وسیلہ ہے تو یہ ہے آسرا اس کے سوا کیا ہے
بروزِ حشر آمر حق یہ پوچھے ساتھ میں کیا ہے
تو کہدوں ساتھ میں تو ہے تو پھر تیرے سوا کیا ہے

صلی اللہ علیہ و سلم

سید سراج الدین منیرؔ
حیدرآباد

نورِ مجرد حسنِ مجسم صلی اللہ علیہ و سلم
ذاتِ محمد جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ و سلم

سیدِ عالم صاحبِ دوراں،صورتِ قرآں سیرتِ یزداں
سب سے مکرم ،سب سے مقدم صلی اللہ علیہ و سلم

اول و آخر باطن و ظاہر حق کا پیمبر ،اکمل و اجمل
سر تا قدم ہے نور کا عالم صلی اللہ علیہ و سلم

آپ نہ ہوتے ہوتا نہ عالم،عالم تو عالم ہوتے نہ آدم
وجہ بنائے عالم و آدم صلی اللہ علیہ و سلم

بزمِ جہاں میں اُن کے قدم سے دشت و جبل میں ان کے کرم سے
رحمت ہی رحمت ہر آن ہر دم صلی اللہ علیہ و سلم

چشم جہاں میں نورِ بصر ہیں شکل بشر میں خیرالبشر ہیں
خیرِ مجسم محسنِ آدم صلی اللہ علیہ و سلم

سن لو منیرؔ اک مردِ خدا نے راز کی مجھ کو بات بتائی
اسمِ محمد ہے اسمِ اعظم صلی اللہ علیہ و سلم

پیشکش : سید علی احمد قادری کلیم، حیدرآباد

بے نقطہ نعتیہ کلام

از: متولی ظفرالشعراء محمد جعفر شریف المتخلص ظفؔر و عادؔل
جالی محلّہ بنگلور

وہ رو ہم کو اسدم دکھاؤ محمدؐ کرو رحم للہ آؤ محمدؐ
لو ہمراہ کُل کلِّ اہلِ ولا کو اَرم کا در آکر کھلاؤ محمدؐ
ہو ہر اہلِ اسلام کا دِل محو گرہ کھول دو آؤ آؤ محمدؐ
اَرم سا کرو اس دلِ مدح گو کو درآؤ محمدؐ در آؤ محمدؐ
وہ رو مہر کا سا دکھا دو دکھا دو لو آؤ محمدؐ لو آؤ محمدؐ
ملال و صداع و الم دور کر دو سرور اور آرام لاؤ محمدؐ
ہوا ساموا سا کو آکر سحردم ہمارا گلِ دل کھلا وَ محمدؐ
رہِ رسم اسلام کامل ہے معلوم مسائل وہ ہم کو سکھاؤ محمدؐ
ہر اک اہل اسلام کو کردو مسرور عدو کو رولاؤ رولاؤ محمد
ہوا وصل واحد کا سائل مرادل کرم کر احد کو ملاؤ محمدؐ

ہوا دہر گرد آہ صد آہ عادؔل
درِ اطہر اسکو دکھا وَ محمدؐ

پیشکش :

متولی امیر خسؔرو

فرزندِ حضرت ظفؔر و عادؔل، جالی محلّہ بنگلور

موبائل: 9916777786

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از: مولوی سید نیاز احمد جمالی آمری
پرنسپال دارالعلوم جمالیہ، چنئی

دونوں جہاں میں اعلیٰ سرکار ہیں ہمارے
سب سے بلند و بالا سرکار ہیں ہمارے

اُنکے بغیر کوئی رب کو نہ پا سکے گا
محبوبِ ربِ اعلیٰ سرکار ہیں ہمارے

محشر میں پر خطا کو سرکار ہیں سہارا
ارضِ حشر کے مولیٰ سرکار ہیں ہمارے

معراج کے سفر میں عرشِ خدا پہ پہنچے
واصل بہ عرشِ اعلیٰ سرکار ہیں ہمارے

آوٗ گناہ گارو دامن نبی کا تھامو
سب بے کسوں کا ملجا سرکار ہیں ہمارے

مومن وہی بشر ہے جو ہے نبی کا عاشق
ایمان کا اجالا سرکار ہیں ہمارے

نظرِ کرم سے انکی چمکے گی اپنی قسمت
دونوں جہاں کے داتا سرکار ہیں ہمارے

خلاق کی عطا سے مالک ہیں وہ نیازی
ارض و سما کے آقا سرکار ہیں ہمارے

پیش کش : سید بلال احمد شطاری، بڑا مکان، بنگلور

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

از: منصور علی خان سہروردی

اُنگلی سے آفتاب پھرایا ہے آپؐ نے
نایاب معجزہ یہ دکھایا ہے آپؐ نے

قسمت پہ ناز کرتے ہیں حضرت بلالؓ بھی
''ذرّہ کو آفتاب بنایا ہے آپؐ نے''

کعبے کے اُن بتوں کی خدائی کے سامنے
توحید کیا ہے سب کو سکھایا ہے آپؐ نے

یہ بھی کرم نوازی نہیں ہے تو اور کیا
مٹی پکڑ کے سونا بنایا ہے آپؐ نے

منصوؔر یہ بھی فیضِ رسولِ انامؐ ہے
بندے کو خدا سے جو ملایا ہے آپؐ نے

پیشکش: محمد عثمان پاشاہ عرف گلریز، محمد توصیف، بنگلور

منقبتِ غوثِ اعظمؓ

از حافظ محمد خلیل الرحمٰن اشرفی لطیفی

میرے لب پہ رات دن ہے تیرا نام غوثِ اعظمؓ
تیرے ذکر سے بنے ہیں میرے کام غوثِ اعظمؓ

میرے راستے میں آکر کبھی مشکلیں نہ ٹھہری
میرے کام آرہا ہے تیران نام غوثِ اعظمؓ

تو علیؓ کا زورِ بازو تو رسولِ حق کی خوشبو
ہے سخاوتوں کا منصب تیرا نام غوثِ اعظمؓ

یوں نظر اٹھا کے دیکھوں تو ہو سامنے مدینہ
میرے عشق کو عطا ہو وہ مقام غوثِ اعظمؓ

میری خالی جھولی بھردو مجھے مالا مال کردو
تیرا فیض تیری رحمت تو ہے عام غوثِ اعظمؓ

روضۂ خواجہ نہیں دیکھا!

(اجمیر شریف نہ جانے کے ملال میں)

از: محمد یوسف شمیم مرحوم (نیلور، آندھرا پردیش)

میری نگہِ شوق نے کیا کیا نہیں دیکھا
جو دید کے قابل ہے وہ جلوہ نہیں دیکھا

اجمیر کا وہ عرس وہ میلہ نہیں دیکھا
دیکھا جو مَلَک نے وہ نظارہ نہیں دیکھا

وہ مرقدِ خواجہؒ کہ ہے جنت کا نمونہ
ناچیز کی آنکھوں نے وہ جلوہ نہیں دیکھا!

جس چادرِ پر نور کو حوروں نے سجایا
تربت پہ وہ چادر کا نظارہ نہیں دیکھا

دیتا ہے جو عشاق کو جنت کی بشارت
وہ جنتی دروازہ لَحَد کا نہیں دیکھا!

جس خاک کے ذرے میں ہے اکسیر کی تاثیر
اجمیر کی اس خاک کا ذرہ نہیں دیکھا!

ہے دیدہ مشتاق کو جس دید کی حسرت
نادیدہ وہ جلوہ نہیں دیکھا نہیں دیکھا

ہے جس شہہ ذیشان کی غریبوں پہ نوازش
ناچیز نے اُس شاہ کا روضہ نہیں دیکھا

کہتا ہے جنھیں ہند کا سلطان زمانہ
اُس شاہ کا دربارِ معلیٰ نہیں دیکھا

جھکتا ہے جہاں فرقِ سلاطین و گدایاں
اُس درگہ تحریم کا پایا نہیں دیکھا

وہ کفر گہہ ہند میں اسلام کا پیکر!
وہ احمدِ مرسل کا عطیہ نہیں دیکھا

جو دین محمد کا معین ہے شہ ذیشاں
اس شاہ و شہنشاہ کا روضہ نہیں دیکھا

دیگوں کی وہ وسعت وہ غریبوں کا تناول
خواجہ کے وہ لنگر کا نظارہ نہیں دیکھا

دیکھا تو ہے دنیا کی نگاہوں نے بہت کچھ
مجھ سا کوئی محرومِ تماشا نہیں دیکھا

اے کاش کبھی جانبِ اجمیر چلوں میں
پھر یہ نہ کہوں روضۂ خواجہ نہیں دیکھا

القصہ شمیم اپنے مقدر کی ہے یہ بات
میں نے شہہ اجمیر کا روضہ نہیں دیکھا

(پیش کش: محمد باقر حسین و محمد سجاد حسین، نبائرمحمد یوسف شمیم صاحب مرحوم)

شھادت نامہ

جب رن میں حسین اصغر بے شیر کو لائے　　لختِ جگر بانوئے دلگیر کو لائے
جلادوں میں اس صاحب توقیر کو لائے　　ہاتھوں پہ دھرے چاند سی تصویر کو لائے
غل پڑھ گیا دیکھو شہہ والا کے سپر کو
خورشید نے ہاتھوں پہ اٹھایا ہے ثمر کو

جس دل میں نہیں نور محبت کا ہماری　　قرآن سے ثابت ہے کہ ناری ہے وہ ناری
بیکار ہے گو عمر عبادت میں گذاری　　کچھ نفع نہ بخشے گی اُسے طاعتِ باری
عشقِ اسد اللہ کا داغ اس میں نہیں ہے
بے نور ہے وہ گھر کہ چراغ اس میں نہیں ہے

شہ لاش کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یہ پکارے　　اے بارِ خدا خلق سے علی اکبر بھی سدھارے
صد شکر کہ تو نے میرے سب کام سنوارے　　کچھ اور پئے نذر نہ تھا پاس ہمارے
یہ ہے سیدِ صاحبِ معراج کا ہدیہ
مقبول ہوا اس بندۂ محتاج کا ہدیہ

آئے ہیں وطن چھوڑ کے مہمان ہیں تمہارے　　دو روز سے دم توڑتے ہیں پیاس کے مارے
ہم حیدر و زہرہ و پیمبر کے ہیں پیارے　　کام آئیں گے جب آؤ گے کوثر کے کنارے
دن آج تمہارا ہے تو کل ہوگا ہمارا
فردوس کی نہروں پہ عمل ہوگا ہمارا

پیشکش : محمد حسین لطیفی باقر، موبائل: 09989945638

دارالعلوم لطیفیه مکان حضرت قطب ویلور